اسلام کی چار اصولی اصطلاحیں

اِلٰہ

رسول

نبی

ایمان

مصنف :

مفسرِ شہیر حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اسلام کی چار اصولی اصطلاحیں

اِلٰہ ❊ رسول ❊ نبی ❊ ایمان

از : حکیم الامت مفتی احمد یار خاں گجرات

زمانہ نیا ہے زمانہ والوں کے ذہن جذب پسند ہیں ہر چیز میں جدّت طرازی آج کل کا محبوب مشغلہ ہے۔ بعض جدّت پسندوں نے توحید کے معنی نئے کر ڈالے رسالت، نبوّت، ایمان کے شربتوں کو نئے گلاسوں میں پینا شروع کر دیا جس سے لوگوں کے ایمان متزلزل ہونے لگے۔ لہٰذا ضرورت محسوس کی گئی کہ مسلمانوں کو ان چار لفظوں کے وہی پرانے معنی بتائے جائیں جو ساڑھے تیرہ سو برس سے مانے جا رہے ہیں۔ ہر شخص جانتا ہے کہ توحید و رسالت وہ بنیادی عقیدہ ہے جس پر اسلام کی ساری عمارت قائم ہے کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھ کر ہی سب مسلمان ہوتے ہیں۔ آج اس صحبت میں ہم عرض کرتے ہیں کہ اِلٰہ کے کیا معنی ہیں اور الوہیت کا مدار کس چیز پر ہے۔ الوہیت و عبدیت میں فرق کرنے والی کیا شے ہے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے معنی ہیں اللہ کے سوا کوئی اِلٰہ نہیں ...... آخر اِلٰہ ہے کیا؟ آج عام طور پر کہا جاتا ہے کہ اِلٰہ وہ ہے جو غیب جانے۔ اِلٰہ وہ ہے جو حاضر و ناظر ہو۔ اِلٰہ وہ ہے جو بیٹا دے۔ اِلٰہ وہ ہے جو شفا دے۔ اِلٰہ وہ ہے جو مشکل کشا حاجت روا ہو۔ دادرس فریاد رس ہو۔

اللہ وہ ہے جو دُور سے سُن لے ۔دُور سے دیکھ لے ۔اس تفسیر کا مقصد یہ ہے کہ عام مسلمان حضرات انبیاء کرام و اولیاء عظام خصوصاً حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم غیب حاضر و ناظر دادرس فریاد رس سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں ؎

خلق کے دادرس کل کے فریادرس !

کہف روز مصیبت پہ لاکھوں سلام

وہ سب مشرک ہیں کیونکہ انہوں نے بندوں کو اِلٰہ مان لیا۔مشرکین عرب اپنے بُتوں کے متعلق یہی عقیدے رکھتے تھے کہ وہ غیب جانتے ہیں ۔فریادرسی کرتے ہیں وہ مشرک تھے ۔یہ مسلمان بھی نبیوں ولیوں میں یہ صفات مان کر مشرکین عرب کی طرح ہی شرک میں گرفتار ہیں ۔ہم دکھاتے ہیں کہ الٰہ کے یہ معنی ہرگز نہیں اور نہ ان چیزوں پر الوہیت کا مدار ہے ورنہ از رُوئے قرآن لاکھوں اِلٰہ ماننے پڑیں گے ملاحظہ فرمائیے

غیب کا جاننا

اگر غیب کا جاننا مدار الوہیت ہے تو قرآن کریم حضرت عیسٰی علیہ السلام کے متعلق فرماتا ہے کہ آپ نے اپنی قوم سے یوں خطاب کیا ۔وَ اُنَبِّئُکُمْ بِمَا تَاْکُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِیْ بُیُوْتِکُمْ (اور خبر دیتا ہوں میں تم کو جو تم اپنے گھروں میں کھاتے ہو اور بچاتے ہو) خیال رہے کہ تَاکلون اور تدّخرون مضارع ہے جس میں حال و استقبال دونوں زمانوں کی گنجائش ہے تو معنی اس کے یہ ہوئے کہ جو کچھ تم اپنے گھروں کی کوٹھڑیوں میں بیٹھ کر کھاتے ہو یا کھاؤ گے ،بچاتے ہو یا بچاؤ گے میں سب کی خبر تم کو دے سکتا ہوں ۔یعنی کھیتوں میں دانے باغوں میں پھل پیدا ہوتے ہیں ۔ہر دانہ و پھل پر کھانے والے کی مہر ہوتی ہے ۔میں ان مہروں کو جانتا ہوں اور کھانے والوں کو پہچانتا ہوں ۔سوچو تو اللہ تعالیٰ نے جناب مسیح کو کتنا وسیع علم غیب عطا فرمایا ۔اگر غیب جاننا مدارِ الوہیت ہو تو از رُوئے قرآن مجید جناب مسیح اِلٰہ ٹھہرتے ہیں ۔

عالم میں تصرّف کرنا

اگر عالم پر حکمرانی ہوا و بارانی چاند سورج پر قبضہ الوہیت کا معیار ہو تو از روئے قرآن مجید حضرت سلیمان علیہ السلام کو الٰہ ماننا پڑے گا۔ کہ ان کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے وَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ۔

۲؎ وَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ عَاصِفَةً تَجْرِي بِأَمْرِهِ ؕ

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آندھی اور نرم ہواؤں کو خواہ پُروا ہو یا پچھوا شمالی ہو یا جنوبی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دیا۔ کہ تَجْرِي بِأَمْرِهِ ہر قسم کی ہوائیں ان کے حکم سے چلتی تھیں۔ اور ظاہر ہے کہ ہوا ہی بارش لاتی ہے۔ اور ہوا ہی بارش اڑاتی ہے۔ لہٰذا بارش بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کے زیر فرمان کر دی گئی۔ پھر یہ بھی معلوم ہوا کہ بارش سے ہی پیداوار ہے جس پر تمام جانداروں کی بقا کا مدار ہے۔ اس قاعدہ سے سارا نظامِ عالم حق تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کے زیر فرمان کر دیا تھا۔ الوہیت کے اس قاعدے سے انہیں بھی الٰہ ماننا پڑے گا۔ نعوذُ باللہ منہ ٭

شفا دینا قرآن کریم فرماتا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے اپنے مہمان بھائیوں سے والد ماجد حضرت یعقوب علیہ السلام کی خیریت دریافت کی معلوم ہوا کہ وہ فراق یوسفی میں روتے روتے بصارت کھو چکے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا:

اِذْهَبُوا بِقَمِيصِي هٰذَا فَأَلْقُوهُ عَلَىٰ وَجْهِ أَبِي يَأْتِ بَصِيرًا ۚ ط

میری یہ قمیص لے جاؤ میرے ابا جان کے چہرے پر ڈال دو۔ وہ انکھیارے ہو جائیں گے۔

قرآن کریم حضرت ایوب علیہ السلام کے متعلق فرماتا ہے:

اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ هٰذَا مُغْتَسَلٌ بَارِدٌ وَشَرَابٌ۔ اپنا پاؤں زمین پر

رگڑ داس سے پیدا شدہ پانی غسل کے لئے بھی ہے اور پینے کے لئے بھی یعنی اس میں آپ کے لئے ظاہری باطنی شفا ہے۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے فرمایا تھا:
اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ وَ اُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ (میں اللہ کے حکم سے پیدائشی اندھوں کوڑھوں کو اچھا کرتا ہوں اور مُردے زندہ کرتا ہوں) دیکھو شفا دینا، مُردوں کو زندہ کرنا رب کا کام ہے۔ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ اور يُحْيِيْ وَ يُمِيْتُ۔ مگر ان آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ کے مقبول بندے باذنِ پروردگار بیماروں کو شفا اور مُردوں کو زندگی بخشتے ہیں۔

قرآن کریم کا وہ واقعہ بھی یاد رکھو کہ چار ذبح کئے ہوئے۔ قیمہ کئے ہوئے پرندے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پکار پر زندہ ہو کر حاضر ہو گئے۔ ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا۔ مگر اس کے باوجود رب ہے اور بندہ بندہ۔ بندے کے ہاتھ پر ربانی کام ظاہر ہوتے ہیں مگر بندہ بندہ ہی رہتا ہے۔ اِلٰہ کی اس مذکورہ تعریف سے لازم آتا ہے کہ حضرت عیسٰی، ایوب، یوسف و ابراہیم علیہم السلام اِلٰہ ہو جائیں۔ نعوذ باللہ۔

بیٹا دینا قرآن کریم فرماتا ہے کہ جبرائیل علیہ السلام حضرت مریم کے پاس اس حالت میں تشریف لے گئے جب آپ با پردہ جگہ میں غسل کی تیاری فرما رہی تھیں۔ انسانی شکل میں تھے آپ دیکھ کر گھبرا گئیں۔ تو جناب جبرئیل نے تسکین دیتے ہوئے فرمایا: اِنَّمَا اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا (میں تمہارے رب کا قاصد ہوں اس لئے آیا ہوں کہ تمہیں پاک بیٹا دوں)
دیکھو بیٹا بیٹی دینا رب کا کام ہے۔ فرماتا ہے۔ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ۔ رب کے لئے بھی يَهَبُ فرمایا گیا اور جناب جبرئیل کے لئے بھی لِاَهَبَ فرمایا گیا۔ صیغہ ایک معنی ایک مگر نہ خدا تعالیٰ جبرئیل ہو گیا اور نہ جبرئیل خدا بنے اگر بیٹے دینا دلیل الوہیت ہوتا تو حضرت جبرئیل بھی اِلٰہ بن جاتے۔

دُور سے سُننا اور دیکھنا

قرآن کریم حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق ارشاد فرماتا ہے کہ آپ چیونٹیوں کے جنگل پر گزرے تو آپ نے سُنا ایک چیونٹی اپنی سہیلی چیونٹیوں سے کہہ رہی ہے یَا اَیُّھَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسَاکِنَکُمْ لَا یَحْطِمَنَّکُمْ سُلَیْمٰنُ وَجُنُوْدُہٗ وَ ھُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ۔ آگے فرماتا ہے فَتَبَسَّمَ ضَاحِکًا مِّنْ قَوْلِھَا ۔ ترجمہ: اے چیونٹیو! اپنے گھروں میں گھس جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ تم کو لشکر سلیمان کچل دے اور انہیں خبر بھی نہ ہو۔ آپ اس کی یہ بات سُن کر ہنس پڑے۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کی یہ آواز تین میل سے سُنی۔ خیال کیجئے کہ چیونٹی کی آواز اتنی باریک اور ہلکی ہے کہ آج سائنس کے زمانہ میں کوئی مشین اسے نہ سُنا سکی۔ ایسی باریک آواز تین میل سے سُننا۔ کتنی دُور کی آواز سُننا ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے زلیخا یوسف علیہ السلام کو سات دروازوں والی کوٹھڑی میں لے گئی اور دروازے مقفل کر کے اس نے آپ کو پھانسنا چاہا۔ مگر یعقوب علیہ السلام ان سارے واقعات سے خبردار تھے۔ آپ نے کنعان سے بیٹھے ہوئے یہ سب واردات دیکھی اور فرزند کو وہاں پہنچ کر مدد کی۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَلَقَدْ ھَمَّتْ بِہٖ وَھَمَّ بِھَا لَوْ لَا اَنْ رَّاٰ بُرْھَانَ رَبِّہٖ (وہ تو قصد کر ہی چکی تھی یوسف علیہ السلام کا آپ بھی اس کا قصد کر لیتے اگر اپنے رب کی بُرہان نہ دیکھ لیتے)۔

وہ بُرہان کیا تھی یعقوب علیہ السلام کا سامنے آجانا۔ اور اشارہ سے فرزند کو منع کرنا۔ خیال رہے کہ یہاں رای فرمایا گیا جس سے معلوم ہوا کہ وہ بُرہان کوئی دیکھی بھالی چیز تھی نہ کہ سُنی سُنائی۔ قرآن نے نبی کو دیکھی بھالی برہان فرمایا ہے۔ فرماتا ہے: یَا اَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَآءَکُمْ بُرْھَانٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ (اے لوگو! تمہارے پاس رب کی طرف سے برہان و دلیل یعنی محمد رسول اللہ تشریف لائے)۔

دیکھو یعقوب علیہ السلام نے کتنی دُور سے کیسی تیرہ و تاریک کوٹھڑی میں

اپنے بیٹے کا حال دیکھ لیا نیز قرآن کریم فرماتا ہے وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِیْرُ قَالَ اَبُوْھُمْ اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ جب قافلہ قمیض یوسفی لے کر مصر کی بستی سے جدا ہوا تو یعقوب علیہ السلام نے کنعان میں بیٹھے ہوئے فرمایا۔ کہ میں یوسف (علیہ السلام) کی خوشبو پا رہا ہوں۔ ع

آمد نسیم جانفزا سوئے من از کوئے کسے

غور تو کرو کہ کہاں مصر افریقہ کا دارالخلافہ اور کہاں کنعان ملک شام کی بستی اتنی دُور سے آپ نے قمیض یوسفی کی خوشبو پالی۔ اگر دُور سے دیکھنا، سُننا، بو پانا مدار الوہیّت ہے تو حضرت یعقوب علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام بھی اِلٰہ ہونے چاہئیں۔

حاضر و ناظر

اگر ہر جگہ حاضر یعنی متصرف ہونا اور ہر جگہ کو مثل کفِ دست دیکھنا دلیل الوہیت ہو تو ایک دو نہیں، بلکہ لاکھوں اِلٰہ ماننے پڑیں گے۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ آصف برخیا نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے عرض کیا:

قَالَ اَنَا اٰتِیْکَ بِہٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْکَ طَرْفُکَ۔

مَیں آپ کی خدمت میں تختِ بلقیس لاؤنگا آپ کے پلک جھپکنے سے پہلے۔ خیال تو کرو کہ تختِ بلقیس ملکِ یمن کے شہر سبا میں بلقیس کے محل میں مقفل ہے اور آپ ملک فلسطین میں ہیں۔ کسی سے اُس شہر کا راستہ نہیں پوچھتے۔ باربرداری کے لئے کوئی چھکڑا، گاڑی ساتھ نہیں لیتے اور پل بھر سے پہلے اتنا وزنی تخت اٹھا کر حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر کر دیتے ہیں یہ ہے ولی بنی اسرائیل کا ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا۔ نیز قرآن کریم فرماتا ہے۔

قُلْ یَتَوَفّٰکُمْ مَّلَکُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُکِّلَ بِکُمْ۔ (تم سب کو وفات دیتا ہے موت کا فرشتہ جو تم پر مسلّط کیا گیا ہے) اور فرماتا ہے:—

وَتَوَفَّتْھُمْ رُسُلُنَا الخ (ان سب کو ہمارے بہت سے فرشتے وفات دیتے

ہیں) یعنی مددگاران ملک الموت علیہ السلام۔ دیکھو حضرت ملک الموت اور اُن کے رفقا فرشتے بیک وقت ہزارہا مقامات پر ہزاروں مرنے والوں کی جان نکال لیتے ہیں۔ یعنی تمام جہان ان کے سامنے ہے اور ہر جگہ ان کا ہاتھ پہنچتا ہے۔ نیز فرماتا ہے: اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ۔ وہ ابلیس اور اس کا سارا قبیلہ وذریت تم سب لوگوں کو وہاں سے دیکھتے ہیں۔ جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھ سکتے۔

معلوم ہوا کہ ان بے ایمانوں کو بہکانے کے لئے اتنی قوت رب کی طرف سے دی گئی ہے کہ وہ بیک وقت تمام انسانوں کو دیکھتے ہیں ان کے خطروں اور دلی ارادوں سے خبردار ہیں۔ اس ہی لئے جب کوئی شخص نیکی کا ارادہ یا خیال بھی کرتا ہے۔ تو یہ اس کو بہکاتے ہیں۔ چاند سورج سارے تارے ہر جگہ حاضر ہیں کہ ہر جگہ سے بیک وقت دیکھے جاتے ہیں اور ہر جگہ اپنی روشنی پھینکتے ہیں۔ کھیتیاں تیار کرتے ناپاک زمین کو خشک کر کے پاک کرتے ہیں اگر حاضر و ناظر ہونا مدار الوہیت ہو تو حضرت ملک الموت اور ان کے سارے ساتھی فرشتے اِلٰہ ہوں گے۔ شیطان اور اس کی ساری ذریت اِلٰہ ہو گی۔ چاند سورج اور سارے تاروں کو اِلٰہ ماننا پڑے گا۔ ہندو تو دس بیس ہی اِلٰہ مانتے ہیں۔ مگر ان توحیدیوں کے اِلٰہ بندوں کی تعداد سے زیادہ ہو جائیں گے۔

مشکل کشا حاجت روا فریادرس ہونا

یہ چیزیں بھی مدار الوہیت نہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبول بندوں یا ان کے تبرکات کو یہ صفات بخشی ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے کہ جناب مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دردِ زہ شروع ہوا۔ آپ جنگل میں اکیلی تھیں جہاں آپ کے پاس نہ مائی تھی نہ دائی۔ اس سے پہلے کبھی یہ تکلیف نہ دیکھی نہ آزمائی تو گھبرا کر

بولیں : یٰلَیْتَنِیْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَکُنْتُ نَسْیًا مَّنْسِیًّا۔ ہائے کاش میں اس سے پہلے ہی مرگئی ہوتی اور بھولی بسری ہوچکتی۔

اس غرض پر دریائے رحمتِ الٰہی جوش میں آیا اور آپ کی دادرسی اور فریادرسی اس طرح فرمائی گئی کہ :

فَنَادٰهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِیْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِیًّا ط نیچے سے آواز آئی اے مریم گھبراؤ مت تمہارے رب نے تمہارے قدم کے نیچے ایک سرداب (پانی کا چشمہ) بنادیا ہے۔ تَحْتَكِ سے اشارۃً معلوم ہوتا ہے کہ اس چشمہ کا پھوٹنا جناب مریم کے قدم شریف سے تھا۔ جیسے آبِ زمزم کا جناب اسمٰعیل کی ایڑی شریف سے نکلنا :

وَهُزِّیْٓ اِلَیْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَیْكِ رُطَبًا جَنِیًّا : اور کھجور کے ڈنڈ کو جو سوکھا گھنا ہوا ہے۔ اپنی طرف ہلاؤ۔ وہ فوراً پکی ہوئی عمدہ کھجوریں گرائے گا۔

یعنی ان کھجوریں کو کھا کر یہ پانی پی لو۔ تمہاری مشکل آسان ہوگی اور بآسانی ولادت ہوجائے گی۔ حضرت مریم کی دادرسی مشکل کشائی کچھ کھجوروں اور پانی کے ذریعہ کی گئی مگر وہ کھجوریں ان کے ہاتھ سے اور پانی ان کے پاؤں سے پیدا کیا گیا۔ جس میں بتایا گیا کہ ولی کا ہاتھ لگنے سے سوکھا گھنا ہوا ڈنڈ آناً فاناً ہرا ہوکر پھل لاسکتا ہے اور فوراً پکا سکتا ہے۔ اور اس پھل سے مشکلیں آسان ہوسکتی ہیں۔ تو اگر ہمارے سوکھے ہوئے دلوں پر کسی ولی کی نگاہِ کرم پڑجائے۔ تو یہ سرسبز ہوکر معرفت کے پھل پھول دے سکتا ہے۔ اور پھر اس سے مشکلیں آسان ہوسکتی ہیں۔

نیز قرآن مجید فرماتا ہے کہ غرق فرعون کے دن جبرئیل علیہ السلام ایک گھوڑی پر سوار تھے اس گھوڑی کی ٹاپ سے خشک ریگستانی زمین میں سبزہ پیدا ہوتا تھا۔ سامری نے اس ٹاپ کے نیچے کی کچھ خاک لے لی۔ بہت

غرضیکہ بعد جب موسیٰ علیہ السلام توریت لینے طور پر تشریف لے گئے اور وہاں کچھ دیر لگی تو سامری نے فرعونی سونے کا بچھڑا ڈھال کر اس کے منہ میں یہ خاک ڈال دی۔ جس سے وہ زندہ بچھڑا بن کر چیخنے لگا اور اسرائیلی اس کو پوجنے لگے۔ فرماتا ہے۔ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ۔ میں نے حضرت جبریل کی گھوڑی کے آثار قدم سے ایک مٹھی خاک لے لی تھی۔ وہ میں نے اس بچھڑے کے منہ میں ڈال دی۔ میرے دل نے یہی چاہا۔ اس آیت نے یہ بتایا کہ مقبولوں کے تبرکات بے جان کو جاندار کر سکتے ہیں۔ بھلا کچھ ٹھکانا ہے اس نسبت کا کہ جسم جبرئیل لگا کاٹھی سے وہ لگی گھوڑی کی پیٹھ سے، گھوڑی کی ٹاپ لگی خاک سے وہ خاک پہنچی بچھڑے کے منہ میں اسے زندگی بخش دی خاک نے تو اپنا کام کر دیا۔ مگر سونا فرعونیوں کے ہاں کا تھا۔ اس لئے اس کی آواز سے لوگوں کو ہدایت نہ ملی۔ گمراہ ہوئے۔ جیسے بے دین مولوی کے علمی وعظ سے لوگ گمراہ ہی ہوتے ہیں۔ اس آیت نے بتایا کہ مدینہ منوّرہ کی خاک دافع بلا باعث شفا ہے۔ اسی لئے اسے خاکِ شفا کہتے ہیں کہ وہاں کے ذرّوں نے جناب مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین پاک چومے ہیں ؎

کہاں یہ مرتبے اللہ اکبر سنگِ اسود کے
یہاں کے پتھروں نے پاؤں چومے ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے

اگر دافع بلا ہونا الوہیت کا مدار ہے تو جناب مریم اور حضرت جبریل علیہ السلام بھی اِلٰہ ہونے چاہئیں۔ بلکہ حکیموں کے شربت، عرق، گولیاں، جنگل کی جڑی بوٹیاں سب اِلٰہ بن جائیں گی۔ ایک شربت کا نام ہے شربت فریاد رس، حب مسکین نواز، حب شفا، حب دافع تجار، قبض کشا گولیاں وغیرہ۔ سب اِلٰہ ہوگئیں نعوذ باللہ منہا۔

خالق ممالک ابدی ہونا لعض کا خیال یہ ہے کہ اِلٰہ وہ ہے جو خالق ہو مالک ہو غیر فانی ہو۔ بیشک رب تعالیٰ ان

صفات سے موصوف ہے مگر مدار الوہیت یہ چیزیں بھی نہیں کیونکہ جب کوئی ملک پیدا نہ ہوا تھا اور اس کی صفت مالکیت کا ظہور نہ ہوا تھا تب بھی وہ الٰہ تھا نیز جنتین اور دہاں کی نعمتیں جنتی لوگ جنت میں پہنچکر یونہی دوزخیں وہاں کے عذاب اور دوزخی دہاں پہنچکر سب غیر فانی ہوں گے۔ رب فرماتا ہے اُکُلُهَا دَائِمٌ اس کے پھل ہمیشہ ہیں اور فرماتا ہے خٰلِدِیْنَ فِیْهَا اَبَدًا وہ جنتی جہنمی اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

تو اس سے لازم آیا کہ ہر جنتی دوزخی اِلٰہ بن جائے۔

لطیفہ موجودہ دور کے ایک موحّد عالم کہیں وعظ فرمانے تشریف لے گئے اور دوران وعظ میں کلمہ طیّبہ کے معنی یوں کیئے لَا اِلٰہ نہیں ہے کوئی بیٹیا دینے والا۔ نہیں ہے کوئی فریاد رس۔ نہیں ہے کوئی مشکل کشا۔ نہیں ہے کوئی حاجت روا۔ اِلَّا اللّٰہُ اللہ ہی ہے۔ اتفاقاً بانی جلسہ سُنی تھا۔ اسے اس وعظ سے تکلیف بھی ہوئی اور حیرت بھی۔ صبح کو مولوی صاحب کو نذرانہ دینے نہ آیا۔ آخر مولوی صاحب مجبور ہو کر اس کے گھر گئے اور اس سے نذرانہ مانگا اور کرایہ کا مطالبہ کیا۔ وہ بولا مولوی صاحب رات کا وعظ بھول گئے۔ صبح سویرے ہی شرک میں گرفتار ہو گئے۔ لَا اِلٰہ نہیں ہے کوئی کرایہ دینے والا لَا اِلٰہ نہیں ہے کوئی محنتانہ دینے والا اِلَّا اللّٰہ ہی ہے۔ اب مجھ سے کرایہ کیوں مانگتے ہو رب سے مانگو۔

بہر حال اِلٰہ کے یہ معنی اور ان چیزوں پر الوہیت کا مدار ہونا باطل محض ہے۔

الوہیت و الٰہ کے شرعی معنی یقیناً اللہ تعالیٰ ازلی ابدی، سمیع، بصیر، حاجت روا، مشکل کشا، خالق مالک، فریاد رس، شفا و روزی رساں ہے مگر ان میں سے کوئی چیز الٰہ و عبد و معبود کے درمیان باعث فرق نہیں۔

جو چیز بندہ اور الٰہ میں فرق کرے جس کی بنا پر بندہ بندہ ہو اور الٰہ الٰہ وہ ایک چیز ہے یعنی غنی اور بے نیازی۔ بندہ وہ ہے جو نیاز مند ہو دُوسرے

کا حاجت مند ہو۔ اس کی ڈور کسی اور کے ہاتھ میں ہو۔ اس کی صفات اور وہ خود دوسرے کے قبضہ میں ہو۔

اِلٰہ وہ ہے جو کسی کا حاجت مند، کسی کا نیازمند نہ ہو سب سے غنی و بے پرواہ ہو۔ دیکھو سورہ اخلاص میں پہلے فرمایا گیا۔ اَللّٰہُ الصَّمَدُ اللہ بے نیاز ہے۔ پھر ارشاد ہوا لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ یہ اس کی بے نیازی کا ثبوت ہے کہ وہ نہ کسی کا باپ ہے نہ کسی کی اولاد کیونکہ ابوّت اور بنوّت نیازمندی کی بنا پر ہوتی ہے پھر آخر میں ارشاد ہوا وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ۔ اس کا کوئی ہمسر نہیں کیونکہ سب اس کے حاجت مند ہیں اور وہ سب کا حاجت روا۔ اور فرماتا ہے وَاللّٰهُ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ۔ اللہ جہانوں سے بے پروا اور بے نیاز ہے۔ اور فرماتا ہے اَللّٰهُ غَنِيٌّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اللہ غنی اور بے نیاز ہے۔ تم اس کے فقیر نیازمند ہو۔ اور فرماتا ہے وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلِيًّا مِّنَ الذُّلِّ، اللہ نے اپنی کمزوری اور حاجتمندی کی بنا پر کسی کو اپنا ولی نہیں بنایا اور فرماتا ہے وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ۔ اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین کو بنا کر تھک نہیں گیا۔ اور تھک کر کسی کا نیازمند نہیں ہو گیا۔ یہ وہ معیار ہے جس کی بنا پر بندہ بندہ رہتا ہے اور رب رب۔ قرآن حکیم فرماتا ہے کہ اللہ سمیع و بصیر اور دیکھنے سننے والا ہے۔ اور فرماتا ہے کہ ہم نے انسان کو سمیع و بصیر یعنی سننے اور دیکھنے والا بنایا۔ اللہ زندہ ہے بندے بھی زندہ ہیں مگر پھر اللہ الٰہ ہے اور بندہ بندہ کیوں؟ اس لئے کہ اللہ بے نیاز ہو کر سمیع و بصیر و حی و قیوم مالک و ملک ہے۔ اور بندہ رب کا حاجتمند اور اس کا محتاج ہو کر حی و قیوم سمیع و بصیر مالک اور ملک ہے یہ تمام صفتیں بندہ کو رب نے دی ہیں اور جب چاہے وہ یہ صفتیں ان سے چھین لے۔

نوٹ ضروری صوفیا کی اصطلاح میں قیومیت ولایت کا ایک درجہ ہے۔ کہ اس پر پہنچ کر بندہ قیوم کہلاتا ہے یعنی باعث

قیام عالم اسی لیے مجددیہ خاندان کے بزرگوں کی کتب میں بعض اولیاء کو قیوم اوّل قیوم ثانی کہا گیا ہے۔ حدیث شریف میں اس کی طرف اشارہ موجود ہے۔ بِهِمْ يُمْطَرُوْنَ وَبِهِمْ يُرْزَقُوْنَ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ فریادرس حاجت روا۔ مشکل کشا۔ شفا بخش۔ اولاد بخشنے والا ہے۔ اور بعض بندے بھی اس کی عطا و اس کے ارادہ سے فریاد رس مشکل کشا اور اولاد بخش ہیں جن کی آیات اوپر گذر گئیں۔ مگر پھر بندہ بندہ ہے اور رب رب۔ اللہ کی یہ تمام صفات بے نیازی و غنی ہو کر ہیں۔ اور بندوں کی یہ صفات اس کے حاجت مند اور نیازمند ہو کر کہ انہیں یہ صفات رب نے دیں۔ اور وہ خود اور ان کی یہ صفات رب کے قبضہ اور قدرت میں ہیں۔ اسی کی غنیٰ اور بے نیازی کو ذاتی و حقیقی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور اس نیازمندی کو مجازی و عطائی سے۔ یہی الوہیت و عبدیت کے درمیان باعث فرق ہے۔ بلاتشبیہ انجن اور سارے ریل کے ڈبے ایک ہی لائن پر ایک ہی رفتار سے دوڑ رہے ہیں۔ مگر عقل والا جانتا ہے کہ دوڑنے والے ڈبے ہیں۔ اور دوڑانے والا انجن۔ جو محتاج ہیں وہ ڈبے ہیں اور محتاج الیہ انجن۔ آئینہ میں سورج کا عکس آگیا جس سے شیشہ میں روشنی شعاعیں گرمی غرضکہ سورج کے سارے صفات نظر آنے لگے۔ مگر ہوشمند جانتا ہے کہ سورج سورج ہے اور شیشہ شیشہ۔ سورج شیشہ میں نہیں آگیا اور شیشہ سورج تک نہیں پہنچ گیا۔ آئینہ دار آئینہ میں نظر آرہا ہے اس کے سارے اعضاء قدوقامت رنگ وروپ لباس حرکات وسکنات سب آئینہ میں دیکھی جارہی ہیں۔ وہ انگلی ہلاتا ہے تو آئینہ کے عکس بھی ہلتی ہے مگر پھر اصل اصل ہے اور ظل ظل۔ یہاں بھی وہی غنیٰ واحتیاج حقیقت ومجاز۔ ذاتی وعطائی کا فرق کارفرما ہے کسی صوفی نے کیا شاندار بات کہی ؎

عارف خدانما است ولے او نہ می شود

آئینہ رُو نما است ولے رُو نہ می شود

ترجمہ: عارف خدا دکھانے والا ہے لیکن خدا نہیں بن جاتا۔ آئینہ چہرہ دکھانے والا ہے لیکن وہ چہرہ نہیں بن جاتا۔

اب وہ حدیث قدسی پڑھیئے کہ رب فرماتا ہے۔ جب بندہ مجھ سے بہت قریب ہوتا ہے تو میں اس کی زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے اور میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے۔ اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے۔ نہ یہاں حلول ہوتا ہے نہ سرایت بلکہ تجلّی ربانی جب بندہ پر پڑتی ہے تو بندہ سے خدائی کام ظاہر ہونے لگتے ہیں۔

ایک شبہ

ہماری گذشتہ تقریر پر مخالفین کی طرف سے ایک شبہ ہو سکتا ہے وہ یہ کہ اگر مدارِ الوہیت غنیٰ ہے اور مدار عبدیت محتاجی۔ اِلّا وہ جو بے نیاز ہو، بندہ وہ جو نیاز مند ہو تو مشرکین عرب مشرک نہ ہونے چاہیئے تھے اور نہ ان کے معبودانِ باطلہ کو الٰہ کہا جا سکے۔ حالانکہ قرآن کریم نے انہیں الٰہ فرمایا ہے۔ اور ان کے پجاریوں کو مشرک قرار دیا ہے کیونکہ کوئی مشرک اپنے معبودوں کو غنی اور بے نیاز نہیں مانتا کہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ ہمارے یہ معبود اللہ کے بندے اور اس کے حاجتمند ہیں۔ قرآن حکیم فرما رہا ہے کہ اگر تم ان مشرکین سے پوچھو کہ آسمان و زمین کس کا ہے تو کہیں گے اللہ کا۔ اور فرماتا ہے اگر تم ان سے پوچھو کہ تمہیں روزی کون دیتا ہے۔ کہیں گے اللہ۔ نیز فرماتا ہے اگر تم ان سے پوچھو کہ کس کے قبضہ میں ہے بادشاہت آسمان و زمین کی تو کہیں گے اللہ کی وغیرہ۔

احادیث سے بھی ثابت ہے کہ مشرکین عرب جب حج یا عمرہ کا احرام باندھتے تو پھر تلبیہ میں یہ الفاظ بھی کہتے تھے لَاشَرِیْکَ لَکَ اِلَّا شَرِیْکًا وَاحِدًا هُوَ عَبْدٌ لَّکَ الٰہی تیرا کوئی شریک نہیں سوا ایک کے اور وہ شریک بھی تیرا بندہ ہی ہے۔ ان باتوں کے باوجود وہ اپنے بتوں کو الٰہ کہتے تھے۔ اور قرآن کریم نے انہیں مشرک قرار دیا۔

اب غور کرنا چاہیئے کہ وہ کیا عقیدہ تھا اور کفار اپنے بتوں کے متعلق کیا اعتقاد رکھتے تھے جس سے انہیں اِلٰہ مانتے تھے اور انہیں خدا کا شریک جانتے تھے وہ صرف یہ عقیدہ تھا کہ ہمارے معبودین دان۔ ہر جگہ حاضر و ناظر۔ دُور و قریب سے دیکھنے سننے والے۔ ہمارے حاجت روا مشکل کشا۔ فریاد رس ہیں۔ انہی عقیدوں کی بنا پر وہ مشرک ہوئے۔ اور یہی صفات الوہیت کا مدار ہیں۔ جس بندہ میں یہ صفات مان لی جائیں اُسے اللہ مان لیا گیا۔ مشرکین یہ صفات اپنے معبودین میں مان کر مشرک ہوئے اور آج کے مسلمان نبیوں ولیوں میں یہ صفات مان کر مشرک ہو رہے ہیں۔ یقیناً یہ مسلمان اپنے پیروں اور ولیوں کو اِلٰہ مانتے ہیں۔

نوٹ: مخالفین کے یہ انتہائی دلائل ہیں جن کی بنا پر وہ عام مسلمانوں کو مشرک کہتے ہیں ؛

اِس شبہ کا ازالہ شرک کا دار و مدار کسی کو اللہ کے برابر مان لینے پر ہے قرآن کریم فرماتا ہے:

ثُمَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ: پھر کفار بندوں کو اپنے رب کی برابر کر دیتے ہیں۔

نیز فرماتا ہے قیامت کے دن مشرکین اپنے معبودین سے کہیں گے کہ ہم بڑی گمراہی میں تھے۔

اِذْ نُسَوِّیْکُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ: کیونکہ ہم تم کو رب العالمین کے برابر جانتے تھے۔

معلوم ہوا کہ شرک کا مدار اس پر ہے کہ کسی بندہ کو رب کے برابر سمجھا جائے رب کے برابر سمجھنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ بندہ کو اتنا اونچا کیا جائے کہ اس کو رب کے برابر درجہ دے دیا جائے کہ اسے اللہ کی طرح خالق۔ مالک غیب دان فریاد رس وغیرہ مستقل ذاتی طور پر مان لیا جائے دوسرے یہ کہ رب تعالیٰ کی شان گھٹا کر اسے اپنے بندوں کی صف میں قائم کر دیا جائے اور یہ مانا جائے۔ کہ بعض چیزوں میں بندے اللہ کے محتاج ہیں اور بعض باتوں میں رب تعالیٰ بندوں

کا دست نگر۔ یہ دونوں صورتیں بندوں کو اللہ ماننے کی ہیں اور شرک ہیں۔ کفار عرب ان دونوں قسم کے شرکوں میں گرفتار تھے۔ بعض کفار فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں اور بعض اپنے بتوں کو خدا کے بیٹے مانتے تھے اور ظاہر ہے کہ باپ بیٹے آپس میں ایک دوسرے کے حاجتمند ہوتے ہیں اور جنسیت و نوعیت میں برابر وہ لوگ اس عقیدے کی بنا پر مشرک ہوئے ان کی تردید میں قرآن کریم کی بہت سی آیتیں ہیں۔ چنانچہ رب تعالیٰ فرماتا ہے: لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ۔ نہ اس نے کسی کو جنا نہ وہ کسی سے جنا گیا۔ نہ کوئی اس کا ہمسر اور فرماتا ہے لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا اور فرماتا ہے وَجَعَلُوْا بَیْنَہٗ وَبَیْنَ الْجِنَّۃِ نَسَبًا عام مشرکین عرب کا عقیدہ تھا کہ ہمارے بت معبودان باطلہ ہیں تو خدا کے بندے مگر خدا تعالیٰ ان کا محتاج ہے۔ وہ رب تعالیٰ دنیا کو پیدا فرما کر اتنا تھک گیا اور عاجز ہو گیا کہ وہ اب دنیا چلا نہیں سکتا۔ اس کا انتظام سنبھال نہیں سکتا۔ ہمارے یہ معبود دنیا کا انتظام سنبھالے ہوئے ہیں اور یہاں کا کام چلا رہے ہیں۔ یہ عقیدہ شرک ہوا۔ کہ اس میں بندوں کو رب کا ہمسر مانا گیا۔ اس طرح کہ بندوں کو رب کا حاجتمند مانا گیا۔ اور رب کو ان بندوں کا۔ ان کی تردید میں بہت سی آیتیں نازل ہوئیں۔ رب فرماتا ہے وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ۔ ہمیں عالم کی پیدائش میں کچھ تھکن نہیں پہنچی۔ اللہ تعالیٰ ان چیزوں کو پیدا فرما کر تھک نہیں گیا۔ اور فرماتا ہے۔ وَلَمْ یَتَّخِذْ وَلِیًّا مِّنَ الذُّلِّ اللہ تعالیٰ نے عجز اور کمزوری کی بنا پر کسی کو اپنا ولی نہیں بنایا۔ غرض کہ ان کا یہ عقیدہ شرک تھا۔ بعض کفار عالم کے لئے دو مستقل خدا خالق و مالک مانتے تھے وہ کہتے تھے کہ خیر کا خالق اور چاہیئے اور شر کا خالق اور۔ خالق خیر کا نام یزدان رکھتے تھے اور شر کے خالق کا نام اہرمن۔ انہوں نے اس کے بعض فرضی بندوں کو اتنا اونچا سمجھا کہ خدا مان لیا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، کوئی مسلمان ایسے گندے عقیدے نہیں رکھتا۔ صرف بہ عطائے

الٰہی کسی بندے کو علم غیب ماننا یا بہ عطائے الٰہی کسی محبوب بندے کو خلق کا فریاد رس مشکل کشا جاننا نہ شرک نہ کفر اور مشرکین عرب صرف ان عقیدوں کی بنا پر مشرک نہیں ہوئے مشرک بنانے والے وہ عقیدے ہیں جو ابھی ہم نے قرآن کریم کی روشنی میں بیان کئے
صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہ عطائے الٰہی اپنا حاجت روا بھی جانتے تھے۔ اور مشکل کشا بھی۔ فریاد رس بھی۔ جب ان سے کوئی قصور ہو جاتا تو بارگاہِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کرتے طَهِّرْنِي يَا رَسُوْلَ اللهِ۔ یعنی حضور مجھے پاک کر دو کیوں نہ کہتے جب رب تعالیٰ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرما رہا ہے وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ہمارے محبوب ان کو پاک فرماتے ہیں اور کتاب و حکمت یعنی قرآن و حدیث سکھاتے ہیں اور فرماتا ہے۔ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ۔ اے محبوب ان کے صدقات وصول پاؤ اور انہیں ان صدقات کے ذریعہ سے ظاہری و باطنی صاف فرماؤ۔ اور ان کے لئے دعائے رحمت کرو آپ کی دُعا ان کے دلوں کا چین ہے
ان آیات سے معلوم ہوا کہ صرف قرآن و حدیث اور روزہ نماز وغیرہ ہم کو پاک صاف نہیں کر سکتے۔ جب تک کہ نگاہِ مصطفوی صلے اللہ علیہ وسلم نہ ہو۔ قرآن و حدیث رُوحانی صابن و پانی ہے۔ حضور کا کرم و نگاہ عنایت روحانی پاک کرنے والا ہاتھ ہے صرف صابن اور پانی بغیر کسی کا ہاتھ لگے کپڑے کو صاف و پاک نہیں کرتے نابیناؤں نے حضور سے گئی ہوئی آنکھیں مانگیں۔ مرگی والوں نے حضور سے شفا مانگی جانوروں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے امان مانگی۔ لکڑیوں پتھروں نے حضور کی پناہ لی ہے۔ سیدنا ربیعہ ابن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ نے حضور سے جنت مانگی ہے چنانچہ مسلم شریف کے الفاظ یہ ہیں۔ اَسْئَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ حضور میں آپ سے یہ مانگتا ہوں کہ جنت میں آپ کے ساتھ رہوں۔ یعنی ایمان عمل حسن خاتمہ قبر کے امتحان میں کامیابی۔ ہول محشر سے نجات۔ پلصراط سے بخیریت گذر۔ جنت کا داخلہ۔ حضور کا قرب سبھی کچھ مانگ لیا۔ اس شاہنشاہِ کونین نے یہ نہ فرمایا کہ یہ

چیزیں خدا کی ہیں۔ میں کیسے دے سکتا ہوں۔ بلکہ فرمایا اَوْ غَیْرَ ذٰلِکَ کیا اس کے علاوہ کچھ اور مانگتے ہو عرض کیا ھُوَ ذَاکَ یہی میری مراد ہے معلوم ہوا کہ حضور بہ عطائے پروردگار مرادیں دیتے ہیں۔ فریاد رسی فرماتے ہیں دادرسی کرتے ہیں۔ اگر کسی بندے کو علم غیب بہ عطائے الٰہی ماننا۔ دادرس۔ فریادرس سمجھنا۔ مشکل کشا، حاجت روا سمجھنا ہی شرک ہوتا تو صحابہ کرام سارے مشرک ہو جاتے۔ (نعوذ باللہ)

حیرت ہے کہ حضرات انبیاء کرام کا علم غیب مشکل کشا۔ حاجت روا ہونا۔ ایسا ظاہر مسئلہ ہے کہ جس کا اس زمانے کے کفار بھی انکار نہ کر سکتے تھے۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ جب فرعون و فرعونیوں پر کوئی عذاب الٰہی آتا تھا تو بھاگے ہوئے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہِ عالی میں حاضر ہوتے تھے اور عرض کرتے تھے لَئِنْ کَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَکَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَکَ یعنی اے موسیٰ علیہ السلام اگر اس بار آپ نے یہ عذاب ہم سے دُور کر دیا تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور آپ کے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دیں گے۔ رب تعالیٰ بھی اور جناب کلیم اللہ بھی ان کی اس حاضری اور عرض و معروض اور حاجت روائی مشکل کشائی فریادرسی کی درخواست کو شرک قرار نہ دیتے تھے۔ بلکہ موسیٰ علیہ السلام دعا کر دیتے تھے اور رب تعالیٰ وہ عذاب اٹھا لیتا تھا۔ پھر بعد میں یہ لوگ بے وفائی کرتے اور ان پر دُوسرا عذاب آتا۔ خود رب فرماتا ہے فَلَمَّا کَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰی اَجَلٍ ... فَاِذَا هُمْ یَنْکُثُوْنَ جب ہم ان سے عذاب اُٹھا لیتے تھے تو وہ پھر جاتے تھے۔ اگر ان کا یہ کام شرک ہوتا تو اس پر عذاب زیادہ ہونا چاہیئے تھا نہ کہ اٹھایا جانا افسوس ہے کہ اس زمانے کے بعض کلمہ گو ان لوگوں سے بھی ناسمجھ ہیں۔

رَسُوْل صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

کلمہ طیبہ کے دو جزو ہیں۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ الٰہ کے معنی اور جس چیز پر الوہیت کا مدار ہے وہ آپ حضرات معلوم کر چکے۔ اب

سوچنا یہ ہے کہ رسول کون ہوتا ہے اور رسالت کے معنی کیا ہیں اور رسالت کا کس چیز پر مدار ہے؟

خیال رکھنا چاہیئے کہ رسالت کے معنی بھی بھیجنا ہیں اور لبعثت کے معنی بھی بھیجنا۔ مگر ان میں فرق یہ ہے کہ بعث مطلقاً بھیجنے کو کہتے ہیں مگر رسالت کچھ دے کر بھیجنا۔ کسی کے پاس بھیجنا اور کچھ دینے کے لئے بھیجنا ہے۔ لہذا رسالت بعثت سے خاص ہے۔ اسی لئے ہم عوام لوگ رسول نہیں کہلاتے۔ رسول کا مختصر ترجمہ ہے پیغام رساں فیض رساں۔ پھر رسول دو قسم کے ہیں بے اختیار رسول اور با اختیار رسول بے اختیار رسول بعض فرشتے ہیں جن کے سردار حضرت جبرائیل امین ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے جاعِلُ الْمَلَائِكَةِ رُسُلاً أُولِي أَجْنِحَةٍ اور با اختیار رسول حضرات انبیاء کرام ہیں۔ بغیر تشبیہ یوں سمجھو کہ بادشاہ کا قانونی حکم بذریعہ ڈاک گورنر یا وزیر اعظم کے پاس پہنچتا ہے۔ تاکہ اسے قانونی حیثیت سے رعایا پر جاری کیا جائے محکمہ ڈاک کا ملازم وہ پیغام رجسٹری کی شکل میں گورنر یا وزیر اعظم کے پاس پہنچاتا ہے۔ پھر یہ حضرات رعایا کو جمع کر کے یہ حکم انہیں سناتے ہیں۔ ان پر جاری کرتے ہیں۔ قانون شکنی کرنے والوں کو سزائیں دیتے ہیں بعض وفاداروں میں انعام تقسیم کرتے ہیں۔

دیکھو! محکمہ ڈاک کا ملازم بھی ان افسران کے پاس بادشاہ کا پیغام ہی لایا ہے اور ان حکام نے بھی رعایا تک بادشاہ کا پیغام ہی پہنچایا ہے۔ مگر ان دونوں پیغام رسانوں میں فرق یہ ہے کہ اول الذکر شخص بے اختیار پیغام رساں ہے اور یہ حکام و افسران با اختیار کام دونوں نے ایک ہی کیا۔ مگر مختلف حیثیات سے کیا۔ اس فرق کا نتیجہ یہ نکلا کہ اول الذکر ملازم خادم قرار دیا گیا اور آخر الذکر حکام اس کے بھی مخدوم ہوئے اور رعایا کے بھی کہ ان حکام کی اطاعت بادشاہ کی اطاعت مانی گئی اور ان کے حکم

سے سرتابی بادشاہ کی بغاوت قرار دی گئی۔ ان حکام کو جیل بھیج دینے پھانسی لگوا دینے کے بھی اختیار دیئے گئے مگر وہاں کوئی اختیار نہیں۔

اسی طرح پیغام رساں حضرات انبیاء کرام کے خدام قرار دیئے جاتے ہیں کوئی شخص ان فرشتوں کا اُمتی نہیں ہوتا۔ کسی شخص پر ان فرشتوں کے احکام نافذ نہیں ہوتے ان فرشتوں کا نام کلمہ میں نہیں آتا۔ بلکہ وہ فرشتے حضرات انبیاء کے خدام خاص قرار دیئے جاتے ہیں حضرات انبیاء کرام خلق کے مخدوم رب تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ با اختیار حاکم ہوتے ہیں۔ اسی لئے قوم ان کی اُمت کہلاتی ہے۔ ان کے نام کا کلمہ پڑھتی ہے۔ ان کے احکام ان سب پر نافذ ہوتے ہیں۔ یہ با اختیار اور بے اختیار کا فرق ضرور خیال میں رہے۔ اگر یہ حضرات انبیاء کرام بھی بے اختیار رسول ہوتے تو رسالت جبریلی و رسالت محمدی میں کیا فرق ہوتا۔ اور ہم کلمہ طیبہ میں محمد رسول اللہ کیوں پڑھتے۔ جبرئیل رسول اللہ کیوں نہ پڑھتے۔ مسلم و بخاری میں ایک حدیث ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ایک بار ہم بارگاہِ رسالت میں حاضر تھے کہ ایک شخص آیا جس کے کپڑے سفید اور بال کالے تھے یعنی مسافر نہ تھا اور ہم میں سے کوئی انہیں پہچانتا بھی نہ تھا۔ (یعنی وہ مدینہ کا باشندہ نہ تھا) وہ حضور کے سامنے زانوئے ادب بچھا کر گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر ایسا باادب بیٹھا۔ جیسے نمازی التحیات میں رب کے حضور بیٹھتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچ سوال کیئے "ایمان کیا ہے۔ اسلام کیا ہے۔ احسان کیا ہے۔ قیامت کب ہوگی۔ علامات قیامت کیا ہیں؟"

سرکار عالی نے انہیں جوابات عطا فرمائے۔ وہ ہر جواب پر تصدیق کرتے رہے۔ صَدَقْتَ۔ صَدَقْتَ۔ پھر چلے گئے۔ حضور نے فرمایا یہ جبریل تھے جو ہمارے پاس اس لئے آئے تھے کہ تمہیں تمہارا دین سکھائیں۔"

دیکھو:۔ جبرئیل امین نے صحابہ کرام سے مخاطب ہو کر نہ فرمایا کہ

لوگو! میں جبریل ہوں۔ مجھ سے یہ مسائل سیکھ لو۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شاگردانہ حیثیت سے التحیات کی سی نشست بیٹھے اور سوال پیش کرکے سرکار ابد قرار کے زبان مبارک سے وہ مسئلے بیان کرائے آخر کیوں؟

اِس لئے کہ لوگوں پر ان کی اطاعت اور ان کی بات ماننا واجب نہ تھی۔ بلکہ دوزانو بیٹھ کر مسلمان کو بارگاہِ نبوت کا ادب سکھا دیا۔ اور بتا دیا کہ میں بھی تمہاری طرح ان کا خادم و اُمتی ہوں۔ یہ فرق ہے با اختیار بے اختیار رسول میں جو حضرات آج انبیاء کرام کو بندہ مجبور محض بالکل بے اختیار پوسٹ مین کی طرح صرف پیغام رساں مانتے ہیں۔ اور یہ شعر پڑھتے ہیں ؎

مصطفٰے ہرگز نہ گفتے تا نہ گفتے جبرائیل
جبرائیل ہرگز نہ گفتے تا نہ گفتے کردگار

ترجمہ: نبی کریم ہرگز نہ بولتے اگر جبریل نہ بولتے اور جبریل ہرگز نہ بولتے اگر خدا کلام نہ فرماتا۔

وہ رسالت جبریلی اور رسالت محمدی میں کیا فرق کریں گے اور اس صورت میں پھر ان کی اتباع کیونکر ہوگی اور قوم ان کی اُمت کیوں بنے گی

اختیارات رسالت کے متعلق قرآن کریم کے ارشادات ملاحظہ فرماؤ۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے:

(۱) وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ :۔
ہمارے نبی ان لوگوں کو ظاہری و باطنی پاک و صاف فرماتے ہیں اور انہیں کتاب و حکمت (حدیث پاک) سکھاتے ہیں"
ظاہر ہے کہ محض بے اختیار پیغام رساں تزکیہ و تعلیم نہیں کرسکتا۔

(۲) خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا :۔
اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کے مالوں کے صدقات وصول فرمالیا کرو۔ اور انہیں ان صدقوں کے ذریعہ ظاہری پاکی

طہارت بھی بخشو اور باطنی پاکی تزکیہ بھی "۔

(۳) تُرْجِیْ مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِیْ اِلَیْكَ مَنْ تَشَاءُ ۔
آپ اپنی ازواج میں سے جس کو چاہیں اپنے پاس رکھیں جس کو چاہیں اپنے سے الگ رکھیں "۔

(۴) مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ یَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۔
جب اللہ ورسول کسی چیز کا فیصلہ فرمادیں تو کسی مسلمان مرد یا عورت کو اپنے ذاتی معاملات میں بھی اس کے متعلق اختیار باقی نہیں رہتا

اور فرماتا ہے :

(۵) فَلَا وَرَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى یُحَكِّمُوْكَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ط
اے محبوب آپ ہی کے رب کی قسم یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتے جب تک کہ آپ کو اپنے تمام اختلافات میں حاکم مطلق نہ مان لیں۔ پھر آپ کے فیصلہ سے اپنے قلب میں کوئی تنگی نہ پائیں بلکہ سر تسلیم خم کر دیں۔

بے اختیار پیغام رساں نہ حاکم ہی ہوتا ہے نہ اس کو اپنی قوم پر اتنے اختیارات ہی حاصل ہوتے ہیں۔

رسُول کی ضرورت

اگرچہ اللہ تعالیٰ بمقابلہ شہ رگ کے بھی ہم سے قریب ہے۔ خود فرماتا ہے :

نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ ۔
ہم اس سے بمقابلہ شہ رگ کے قریب تر ہیں۔

لیکن ہم رب تعالیٰ سے بہت دُور ہیں۔ شیخ سعدی نے کیا خوب فرمایا ہے

یار نزدیک تر از من بمن است　　　　وین عجب بین کہ من از وے دُورم

کہ بلا واسطہ ہم اس سے فیض یاب نہیں ہو سکتے ہم ظلمت ہیں وہ نور وہ قادر ہے ہم مجبور د مقدور۔ وہ قاہر ہے ہم مقہور۔ لہٰذا ضرورت تھی کہ رب و مربوب" عابد و معبود" خالق و مخلوق۔ بندہ و بندہ نواز۔ محتاج و کارساز" کے درمیان کوئی ایسا برزخ کبریٰ ہو جو رب سے فیض لے سکے ہم کو دے سکے۔ جب قلب و قالب کے درمیان رگوں پٹھوں۔ شرایئن وغیرہ کی ضرورت ہے کہ یہ رگیں قلب کا فیض ہڈی اور گوشت تک پہنچاتی ہیں" روح" جسم کو بذریعہ قلب و جگر پالتی اور پرورش کرتی ہے تو کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم مجبور بلا واسطہ رب سے فیض لے سکیں اور اس تک پہنچ سکیں۔ اس لئے ہمارے اور رب کے درمیان ایک برزخ ضروری ہے۔ اسی برزخ کا نام رسول ہے۔ اور اسی وساطت کا نام رسالت ہے۔

ہر وہ شخص جو رب تک پہنچنا چاہے یا اس سے کچھ لینا چاہے اسے رسول کی ضرورت ہے بلکہ جو دنیا کی آفات سے بچنا چاہے اس کے لئے نبی کا دامن پکڑنا ناگزیر ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے :۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

سب کے سب اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور بکھر نہ جاؤ۔

اس آیت کی تشریح یوں سمجھو کہ ایک گہرے کنوئیں میں شفاف پانی بھی ہے اور تہ میں کیچڑ کوڑا بھی۔ ہم چاہتے ہیں کہ کنوئیں میں ڈول جائے پانی لے کر بخیریت اوپر آجائے۔ وہاں کی کیچڑ اور کوڑے میں پھنسا نہ رہ جائے اس لئے ہم رسی کا واسطہ اختیار کرتے ہیں۔ کہ اس کا ایک کنارا اپنے ہاتھ میں رکھتے ہیں دوسرا ڈول میں باندھتے ہیں اور اگر رسی موٹی ہو جس میں گرہ نہ لگ سکے تو اس کو تار یا پتلی رسیوں کے ذریعے ڈول سے وابستہ کرتے ہیں۔ اس صورت میں ڈول کنوئیں میں جاکر پانی لے کر بخیریت اوپر آجاتا ہے۔ نہ کیچڑ میں پھنستا ہے اور نہ وہیں رہ جاتا ہے۔

دنیا ایک گہرا کنواں ہے جس میں درست عقائد اور نیک اعمال کا شفاف

پانی بھی ہے جس سے آخرت کی کھیتی ہری ہوتی ہے اور یہاں بدعقیدگیوں بدعملیوں کی کیچڑ بھی ہے ہم لوگ ڈول کی طرح یہاں نیک اعمال کا پانی لینے آئے ہیں۔ رب نے اعلان فرما دیا ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ۔

ہم نے جن و انس کو نہیں پیدا کیا مگر عبادت کے لئے۔

مرضی الٰہی تھی کہ میرے بھولے بندے دنیا کی ٹیپ ٹاپ میں پھنس کر رہ نہ جائیں وہاں سے بخیریت اعمال و عقائد کا پانی لے کر آئیں تو اس رحیم و کریم نے اس ذات کریم کو ہم میں بھیجا۔ جن کا ایک ہاتھ رب کے دست قدرت میں ہے اور دوسرا مخلوق کی دستگیری کے لئے ادھر ادھر پھیلا ہوا ہے انہی کا نام حَبْلُ اللّٰہِ الْمَتِیْن۔ یعنی اللہ کی مضبوط رسی ہے۔

جس نے اللہ کی اس مضبوط رسی کو پکڑ لیا۔ اس نے اللہ کا دست کرم پکڑ لیا۔ خود فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ : جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں۔ وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

پھر خیال رہے کہ جیسے ڈول موٹے اور مضبوط رسّے سے بلا واسطہ نہیں بندھ سکتا۔ بلکہ اسے تاروں اور چھوٹی رسیوں کے ذریعہ باندھا جاتا ہے اسی طرح ہم لوگ براہ راست حضور کے دامن سے وابستہ نہیں ہو سکتے اس وابستگی کے لئے ولایت کے مضبوط تار کی ضرورت ہے۔ ہمارے مشائخ ہمکو حضور تک پہنچاتے ہیں اور حضور اللہ تعالیٰ تک

بھیکا وہ سر کوڑ ہیں جو جائیں گر گر اور
رب رو ٹھے گر میل دے گرو رو ٹھے نہیں ٹھور

فقیر کی اس تقریر سے ضرورت رسالت بھی ثابت ہو گی اور ضرورت ولایت بھی۔

ولی کتنا ہی اونچا ہو رب تک نہیں پہنچا سکتا - وہ حضور تک پہنچائے گا - خدا تک پہنچانا حضور کا اور صرف حضور ہی کا کام ہے - تانگہ کتنا ہی قیمتی ہو گجرات والوں کو کراچی نہیں پہنچا سکتا - تانگہ صرف ریل تک ہی پہنچائے گا اور ریل کراچی تک -

جب یہ سمجھ لیا تو یہ بھی سمجھ لو کہ عقیدۂ رسالت کے لئے تین باتیں ماننا ضروری ہیں - ایک یہ کہ ہم براہِ راست رب تعالیٰ سے کوئی نعمت نہیں لے سکتے جو کچھ ملے گا وسیلہ رسول سے ملے گا ورنہ رسالت کی ضرورت ہی نہ رہتی اور دنیا میں رسول کی تشریف آوری بالکل بے کار ہوتی - کیونکہ ہم لینے والے رب دینے والا - پھر رسول کی کیا ضرورت رہی ؟

دوسرے یہ کہ رسول ہماری طرح بے بس نہیں وہ رب سے لے بھی سکتے ہیں اور ہم کو دے بھی سکتے ہیں - اگر وہ براہ راست رب سے لینے پر قادر نہ ہوں تو پھر انہیں خود ایک اور رسول دینی کی ضرورت درپیش آئے گی جس کے وہ اُمتی بنیں گے اور اگر ہمیں دینے پر قادر نہ ہوں گے تو ہمیں ایک اور رسول کی ضرورت پیش آئیگی -

تیسرے یہ کہ رسول دینے والے رب کو بھی جانتے ہیں اور لینے والے اُمتیوں کو بھی پہچانتے ہیں کہ ان دو علموں کے بغیر لینا اور دینا متحقق نہیں ہو سکتا -

جو لوگ وسیلۂ نبوت کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہر نعمت رب سے بلا واسطہ لو - وہ درحقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے انکاری ہیں - اور کلمہ طیّبہ کی دوسری جز محمّد رسول اللہ کے منکر ہیں - کیونکہ جب ہر چیز رب سے ہم خود لے سکتے ہیں تو ان کی پھر کیا ضرورت رہی ؟ نعوذ باللہ منہ -

اس تقریر سے آپ یہ سمجھ گئے ہوں گے کہ رسول کی نسبت اللہ تعالیٰ سے لینے کی ہے - ہم سے نسبت ہے عطا کرنے کی اس ہی لئے انہیں رسول اللہ بھی کہا جاتا ہے یعنی اللہ سے لینے والے اور ہم انہیں رَسُوْلُنَا بھی کہتے ہیں - یعنی ہم کو دینے والے - ان دو نسبتوں میں ان کے دو کمالات کا اظہار ہے - اس لئے قرآن کریم میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو "رَسُوْلُ اللّٰہِ" بھی کہا

گیا ہے اور "رَسُوْلُکُمْ" بھی فرمایا گیا۔

رسُول کی شان

دنیا میں ہم بھی رب کے بھیجے ہوئے آئے ہیں۔ اور رسول بھی۔ مگر ہماری آمد کو قرآن کریم نے خلق یعنی پیدائش فرمایا کہ ارشادِ ربانی ہوا۔

خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ : اللہ نے تم کو اور تمہارے اعمال کو پیدا کیا۔

اور فرمایا گیا : وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ۔

ہم نے جن و انس کو نہیں پیدا کیا۔ مگر عبادت کے لئے" اور فرمایا گیا۔

خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ اللہ نے تم کو اور ان کو پیدا فرمایا۔ جو تم سے پہلے گزرے۔

مگر رسول کی دنیا میں تشریف آوری کو بعثت اور "رسالت" سے بھی تعبیر فرمایا گیا ہے۔ ارشاد فرمایا :

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا۔

وہ اللہ وہ ہے جس نے بے پڑھوں میں رسول بھیجا۔

اور فرمایا : هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ :

اللہ وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا۔

غرضکہ لفظ بعثت اور رسالت صرف نبیوں کے لئے استعمال ہوا ہے ہمارے واسطے نہیں یعنی ہم اللہ کی صرف مخلوق ہیں اور رسول اس کی مخلوق بھی ہیں رسول بھی اور اس کے مبعوث بھی اس فرق کی چند وجوہات ہیں :۔

ایک یہ کہ ہم دنیا میں اپنے کام کے لئے اپنی ذمہ داری پر آتے ہیں اور رسول دنیا میں رب کے کام کے لئے رب کی ذمہ داری پر تشریف لاتے ہیں جیسے کہ کسی ملک میں کوئی شخص اپنے کام کے لئے جائے اور کوئی مملکت کا سفیر بن کر حکومت کے کام کے لئے اس کی ذمہ داری پر جائے۔ یقیناً دونوں کے جانے میں فرق ہے کہ سفر کے تمام اخراجات اس حکومت کے ذمہ ہوں گے اس کی ہر

بات حکومت کی بات ہوگی۔ بخلاف خود اپنی ذمہ داری پر جانے والے کے۔

دوسرے یہ کہ ہم دنیا میں بننے کے لئے آئے ہیں کہ درست عقائد اختیار کر کے مومن بنیں نیک اعمال کر کے متقی پرہیزگار بنیں مگر رسول دوسروں کو بنانے کے لئے آتے ہیں کہ لوگ ان کے ذریعہ متقی و پرہیزگار بنیں۔ اسلام کے جہاز میں ہم بھی سوار ہیں اور رسول بھی۔ مگر ہم پار لگنے کے لئے رسول ہم کو پار لگانے کے لئے۔ جیسے جہاز میں مسافر بھی سوار ہوتے ہیں اور کپتان بھی۔ اگرچہ جہاز و سمندر راہ اور سفر کا مبداء و منتہیٰ ایک ہے مگر مسافر جہاز میں پار لگنے کے لئے سوار ہوئے ہیں اور کپتان پار لگانے کے لئے اسی فرق کی بنا پر مسافر کرایہ دے کر سوار ہوتے ہیں اور کپتان تنخواہ لے کر۔

تیسرے یہ کہ ہم لوگ دنیا میں ناسمجھ آتے ہیں یہاں آکر سیکھتے ہیں وہ حضرات سب کچھ رب سے سیکھ کر آتے ہیں اور دوسروں کو سکھانے آتے ہیں اسی لئے ہم لوگ یہاں کے ماحول کے مطابق بن جاتے ہیں۔ مگر رسول گندے ماحول میں آکر ستھرے رہتے ہیں یعنی ہمیں ماحول بدلتا ہے اور وہ ماحول کو بدلتے ہیں۔

جناب عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی ارشاد فرمایا: اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَکًا اَیْنَمَا کُنْتُ وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ مَا دُمْتُ حَیًّا وَّ بَرًّا بِوَالِدَتِیْ الخ:

"میں اللہ کا بندہ ہوں مجھے اس نے کتاب (انجیل) عطا فرمائی مجھے نبی بنایا۔ اور مجھے برکت والا بنایا۔ جہاں میں بھی رہوں اور مجھے نماز و پاکیزگی کا حکم دیا۔ جب تک زندہ رہوں اور اپنی ماں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والا بنایا"۔

اس آیت کریمہ میں سارے صیغے ماضی کے استعمال ہوئے یعنی سب کچھ بنکر سیکھ کر یہاں آیا ہوں۔ یہ ہے رسول کی نشان۔ ہمارے حبیب صلے اللہ علیہ وسلم پیدائشی عارف کامل رسول ہیں۔ اسی لئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کبھی گناہ کے قریب بھی نہ گئے۔

زمانۂ پرورش میں بی بی حلیمہ دائی رضی اللہ عنہا کے ہاں جب بچوں نے کھیل کی دعوت دی تو اس عمر شریف میں زبان فیض ترجمان سے فرمایا :

مَاخُلِقْنَا لِهٰذَا : ہم اس کام کے لئے پیدا نہیں کیے گئے۔

یہ ہے رسول کی فطرت اور یہ ہے رسول کی دنیا میں تشریف آوری کی شان۔

جو لوگ رسولوں کو اپنی طرح بے خبر یا بے علم یا نبوت سے پہلے گمراہ و بیدین مانتے ہیں وہ درحقیقت رسول کی شان کے منکر ہیں۔ اگر رسول ہماری طرح اصلاح طلب ہوتے تو انہیں ایک اور رسول کی ضرورت ہوتی جو ان کی اصلاح کرتا۔ اور جس کی امت یہ ہوتے۔

خیال رہے کہ سب سے بڑا کامیاب وہ شخص ہے جو پاک و ستھرا ہو کر جیئے رب کا نام جپے اور نماز کا پابند رہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۔

بے شک کامیاب ہوگیا وہ جو پاک و صاف ہوا اور جس نے اپنے رب کا نام جپا اور نماز پڑھی۔"

معلوم ہوا کہ پاکی و صفائی کامیابی کا پہلا زینہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ پاک کرنے والا کون ہے؟ یہ بھی قرآن کریم نے ہی بتایا کہ ارشاد فرمایا :

وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ :-

ہمارے نبی ان لوگوں کو پاک و صاف کرتے ہیں اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتے ہیں۔

اور فرماتا ہے :

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا :

آپ ان کے صدقے قبول فرمالو ان کے ذریعہ آپ انہیں پاک و صاف فرمادو۔

پتہ لگا کہ پاک ہونے والے ہم ہیں اور پاک کرنے والے حضور۔ ہمارے پاس چار چیزیں ہیں : "جسم۔ دماغ۔ دل اور روح" حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی ہمیں

چار چیزیں عطا فرمائیں۔ ”شریعت، طریقت، حقیقت، معرفت“۔ شریعت سے ہمارے جسم کو پاک فرمایا۔ طریقت سے ہمارے دماغ و خیالات کو پاکیزگی بخشی۔ حقیقت سے دل کو اور معرفت سے روح کو پاک و صاف فرمایا۔

یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے

کہ شریعت کا مرکز جسم پاک مصطفےٰ ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ طبیعت کا مرکز دل شریف۔ حقیقت کا سرچشمہ روح مصطفوی اور معرفت کا مرکز سرّ نبوی صلے اللہ علیہ وسلم۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ہم کو چار قسم کی گندگیاں دُور فرمانے کے لئے چار قسم کے پانی بخشے۔ رہا ہمارا نفس امارہ وہ نجس لعینہ ہے۔ جو کسی پانی سے پاک و صاف نہیں ہوتا۔ اس کو پاک فرمانے کے لئے عشق مصطفوی کی آگ عطا فرمائی جس سے نفس کو جلا کر اس کی حقیقت بدل دو۔ تبدّل حقیقت ناپاک کو پاک کر دیتا ہے۔

بہر حال

مخلوق کو رسول کی ایسی ہی حاجت ہے جیسے زمین کو پانی کی۔ چمن کو بارش کی۔ زمین کا کوئی حصّہ کسی وقت بارش سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ ایسے ہی کوئی فردِ بشر خواہ کسی درجہ اور مرتبہ کا ہو۔ کسی وقت زندگی موت، قبر و حشر میں حضور سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ اور جیسے چمن کا ہر برگ و بار گل و خار بارش کا مرہون منت ہے۔ یونہی مخلوق کا ہر کمال بارگاہِ نبوّت کا رہین کرم ہے۔ انہی کے رب کی قسم جو جسے ملا انہی کے ہاتھوں ملا ؎

لَا وَ رَبِّ الْبَیۡتِ جو جس کو ملا ان سے ملا
بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی

شکر فیض تو چمن چوں کند اے ابر بہار
کہ اگر خار و گر گل ہمہ پروردۂ تست

خدا سے دعا ہے کہ ہم سب کو باران کرم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سیرابی نصیب ہو۔ آمین !

ایک شبہ ہماری اس تقریر پر بعض حضرات کی طرف سے ایک شبہ ہو سکتا ہے کہ جب رسول بلا واسطہ اللہ تعالیٰ سے سب کچھ لے سکتے ہیں تو پھر ان کے اور رب کے درمیان حضرت جبرئیل کا واسطہ کیوں رکھا گیا اور وحی کا سلسلہ کیوں قائم کیا گیا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے :

جَاعِلُ الْمَلٰئِكَةِ رُسُلًا اُولِیْۤ اَجْنِحَةٍ :

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بازوؤں والے قاصد بنایا۔

اور فرماتا ہے :

نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ عَلٰى قَلْبِكَ

حضرت جبرئیل نے یہ قرآن آپ کے دل پر اُتارا۔

ان آیات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ہم بلا واسطہ رب سے کچھ نہیں لے سکتے۔ ایسے ہی رسول بلا واسطہ اس سے نہیں لے سکتے۔ وہ حضرات ایک اور رسول کے حاجتمند ہیں جنہیں شریعت کی زبان میں رُوح القدس یا جبرائیل کہتے ہیں۔ اسی لئے قرآن کریم نے حضرت جبرائیل اور ان کے معاونین فرشتوں کو رسول فرمایا۔

اس شبہ کا ازالہ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ وحی کی آمد اور جبرئیل علیہ السلام کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر آنا قانون کے اجراء کے لئے ہے نہ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے علم کے لئے۔ رب تعالیٰ نے حضور کو پہلے ہی سب کچھ سکھا پڑھا کر بھیجا ہے۔ مگر قوانین الٰہیہ کا بندوں میں اجراء اس وقت ہوگا۔ جب بذریعہ وحی وہ قانون نازل فرمایا جائے گا اس کے دلائل چند ہیں :

ایک یہ کہ رب العالمین نے قرآن کریم کی تعریف اس طرح فرمائی۔ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ یہ قرآن پرہیزگاروں کا ہادی ہے۔

یعنی اے محبوب تمہارا ہادی نہیں تم تو پہلے ہی سے ہدایت یافتہ ہو کہیں هُدًى لَّكَ نہ فرمایا :

دُوسرے یہ کہ نزول قرآن کا سلسلہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف کے

چالیس سال بعد شروع ہوا اگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی چالیس سالہ زندگی صدق وامانت راست گفتاری و پاک بازی کا مرقع تھی حتیٰ کہ کفار نے آپ کو امین وصادق الوعد کا خطاب دیا تھا۔

اگر آپ کی ہدایت نزول قرآن پر موقوف ہوتی تو آپ کے یہ چالیس سال اپنے ماحول کے مطابق عام اہل عرب کے سے گزرتے۔ احادیث سے ثابت ہے کہ آپ اس دراز مدت میں شرک وکفر تو کیا کبھی کھیل کود، تماشوں، شراب جھوٹ وغیرہ کے قریب بھی نہ گئے۔ کبھی غیر اللہ کے نام پر ذبح کئے ہوئے جانور کا گوشت نہ کھایا۔ بتائیے یہ ہدایت کس فرشتہ یا وحی کے ذریعہ حضور نے لی تھی ؟

تیسرے یہ کہ جب پہلی وحی نازل ہوئی تو اس وقت سرکار غارِ حرا میں چھ ماہ سے اعتکاف نماز سجدہ و رکوع وغیرہ عبادات میں مشغول تھے۔

غور کیجئے کہ اس زمانہ میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ عبادتیں کس سے سیکھیں۔

چوتھے یہ کہ خیال کیا جاتا ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو نماز کا تحفہ معراج کی رات لامکان میں پہنچ کر عطا ہوا۔ اور معراج کے سویرے فجر کی نماز نہ پڑھائی گئی۔ ظہر کے وقت سے متواتر دو روز تک جبرائیل امین حاضر ہوتے رہے اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو ہر وقت کی نماز پڑھاتے رہے تب نماز پنجگانہ جاری کی گئی۔ مگر یہ بھی غور کیا کہ معراج کی رات فرش سے عرش پر جاتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس میں سارے انبیاء کرام کو نماز پڑھائی۔ اس طرح کہ آپ امام ہوئے اور سارے انبیاء کرام مقتدی۔ جن میں سے بعض مؤذن بعض مکبر غور تو کرو کہ نماز لینے جا رہے ہیں مگر نماز پڑھا کر جا رہے ہیں۔

اور کن کو نماز پڑھائی بادشاہ کو نہیں بلکہ ان انبیاء کرام کو جو اپنی اُمتوں کو نماز پڑھاتے۔ بتاتے، سکھاتے رہے۔ اور یہ مسئلہ معلوم ہونا چاہیئے کہ نماز کا امام شرعاً وہ ہو جو تمام مقتدیوں سے زیادہ نماز کے مسائل سے واقف ہو۔

پانچویں یہ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر وحی بواسطہ جبرائیل علیہ السلام نہ ہوتی تھی۔ وحی کا بیشتر حصہ وہ ہے جو بلا واسطہ جبرائیل حضور پر القاء ہوتا تھا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰى ۔

"ہمارے محبوب اپنی خواہش سے کلام نہیں فرماتے وہ سب وحی الٰہی ہے۔ جو اُن کی طرف کی جاتی ہے"

اور ظاہر ہے کہ ہر کلام پر جبرئیل امین وحی لے کر نہ آتے تھے اور فرماتا ہے:
ثُمَّ دَنٰى فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰى ۔

"پھر ہمارے محبوب قریب سے قریب تر ہوئے۔ چنانچہ دو کمانوں بیں ہو گئے۔ پھر رب نے اپنے بندے کو جو وحی کی سو کی"

ظاہر بات ہے کہ اس قرب خاص کے وقت جو وحی خاص کی گئی ہے۔ وہاں جبرئیل امین کا گمان وخیال بھی نہ پہنچ سکا تھا۔ ؎

غنچے مَا اَوْحٰى کے وہ چٹکے دَنٰى کے باغ ہیں
بلبل سدرہ تک ان کی بُو سے بھی محرم نہیں

بہر حال یہ ماننا ہی پڑے گا کہ رب العالمین اور محبوب کے درمیان جناب جبرائیل کی آمد ورفت اور وحی کا سلسلہ اجراء قوانین کے لئے ہے نہ کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے محض علم کے لئے ورنہ پھر جیسے ہم حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اُمتی ہیں حضور جبرائیل امین کے اُمتی ہوتے اور جیسے ہم حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھتے ہیں۔ حضور جبرائیل امین کا کلمہ پڑھتے۔

نتیجہ اس مضمون کے دو حصے ہیں ایک اسلام میں نبوت کا درجہ دُوسرے اسلام میں نبی کا مقام۔ خیال رہے کہ مدارِ نجات توحید نہیں بلکہ ایمان ہے اور مدار ایمان محبت ہے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ مدارِ نجات محبت ہے اس کی چند دلیلیں ہیں:۔

ایک یہ کہ شیطان خدا کی ذات وصفات جنت و دوزخ۔ حشر ونشر۔ تقدیر و ملائکہ وغیرہ سب کا قائل تھا۔ مگر نجات نہ پا سکا۔ خود کہتا ہے :

وَ بِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۔

تیری ہی عزت کی قسم میں ساری اولادِ آدم کو بہکاؤں گا۔ سوا تیرے خلوص والے بندوں کے۔

معلوم ہوا کہ رب کی ذات وصفات سے واقف ہے نیز وہ جانتا ہے کہ مخلص بندے ایسے داؤ سے ماہر ہیں یعنی تقدیر کا قائل ہے اور عرض کیا تھا :

اَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ۔

مولا! مجھے اس دن تک مہلت دے جب سب اٹھائے جائیں گے

پتہ لگا کہ قیامت اور احوال قیامت کو جانتا مانتا ہے رب نے فرمایا تھا :

لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِمَّنْ تَبِعَكَ :۔

میں تیرے اتباع کرنے والوں سے دوزخ بھر دوں گا۔

پتہ لگا کہ جنت و دوزخ سے بھی خبردار ہے۔

غرضیکہ سارے ایمانیات کو مانتا ہے۔ انکاری ہے تو نبوت کا۔ لہذا پھٹکار کا مستحق ثابت ہوا۔ نبوت کو توحید کے ساتھ وہی نسبت ہے جو سو روپیہ کے نوٹ کی تحریر کو اس کے کاغذ کے ساتھ ہے کہ جب نوٹ سرکاری تحریر کے ساتھ ہو تو ایک وقت نہیں بلکہ ہر وقت سو روپیہ قیمت رکھتا ہے لیکن اگر یہ سرکاری تحریر مٹا دی جائے تو صرف کاغذ کی کوئی قیمت نہیں یونہی بازار قیامت میں اسی توحید کی قیمت ہو گی جس پر نبوت کی مہر ہو گی۔

دوسرے یہ کہ کلمہ طیبہ نام ہے کلمہ توحید (وحدانیت کا) مگر اس کے دو جزء ہیں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ : پہلے جزء میں توحید کا ذکر ہے دوسرے میں نبوت کا۔ خیال تو کرو کہ نام کلمۂ توحید اور اس

میں ذکر دو کا معلوم ہوا۔ کہ پہلے جز میں توحید کے کاغذ کا ذکر ہے اور دوسرے میں اس کی سرکاری مہر کا جس سے یہ توحید ایمانی توحید بنی۔

اگر فقط توحید نجات کے لئے کافی ہوتی تو اس کلمۂ طیبہ میں یہ دوسرا جز قطعاً نہ ہوتا۔

تیسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ہم لوگوں کو اَلَّذِیْنَ وَحَّدُوْا کہیں نہ فرمایا۔ ہم مردوں کو مومنین اور عورتوں کو مومنات کا خطاب دیا۔ موحدین یا موحدات سے کہیں مخاطب نہ فرمایا۔

اگر صرف توحید نجات کے لئے کافی ہوتی تو کہیں نہ کہیں ہمیں یہ خطاب ضرور دیا جاتا

چوتھے یہ کہ مسلمانوں کے علاوہ اور بہت سے فرقے توحید کے قائل ہیں جیسے سکھ، آریہ بلکہ بعض عیسائی بھی۔ لیکن انہیں مسلمان نہیں کہا جاتا اور نہ ان کی نجات ممکن کیوں ؟ صرف نبوت کے انکار سے توحید کو نبوت کے شیشہ میں دیکھو، کعبہ معظمہ کا نظارہ سبز گنبد کی سنہری جالیوں کے جھروکوں سے کرو تب مومن بنو گے۔

پانچویں یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم تک دنیا میں بہت سے آسمانی دین آئے اور ان سب کو الگ الگ دین مانا گیا۔ کیوں ؟ اس لئے نہیں کہ ان دینوں کی توحیدیں مختلف تھیں اس لیئے نہیں کہ ان ادیان میں حشر و نشر جنت دوزخ وغیرہ کے عقاید میں اختلاف تھا اس لیے نہیں کہ ان ادیان میں جنت و دوزخ کے فرشتے یا مسئلہ تقدیر کے ماننے میں اختلاف تھا۔ تمام دین ان چیزوں کو یکساں مانتے تھے اس کے باوجود مختلف تھے۔ اس لیے کہ ان کی نبوتیں مختلف اور نبی جدا تھے دین موسوی اور تھا دین عیسوی کچھ اور کیوں ؟ اس لئے کہ دین موسوی کے نبی موسیٰ علیہ السلام تھے اور دین عیسوی کے جناب عیسیٰ علیہ السلام۔

معلوم ہوا کہ دین بنتا ہے نبوت سے، خالی توحید اور دین رب نے کبھی دنیا

میں نہیں بھیجا۔

چھٹے چونکہ قبر میں ہر مُردے سے توحید اور دین کے سوال کے بعد نبوّت کا سوال ہوتا ہے۔ مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِيْ حَقِّ هٰذَا الرَّجُل ؟ تو ان کے بارے میں کیا کہتا تھا۔

اگر فقط عقیدۂ توحید کافی ہوتا تو پہلے جواب (ربی اللہ) پر ہی مرد بخش دیا جاتا ہے۔

اِن دلائل سے ثابت ہوا کہ نجات کا دارو مدار صرف عقیدۂ توحید پر نہیں، بلکہ ایمان پر ہے اور ایمان کا مدار نبوت پر۔

نوٹ ضروری جو مُردے دفن نہ کیے جائیں مثلاً ان کو شیر کھا جائے یا ڈوب کر اور جل کر ہلاک ہو جائیں یا یونہی ان کی لاشیں عرصے تک پڑی رہیں ان سے بھی یہ سوال اور بعد سوال سزا جزا ہوتی ہے مگر صرف روح سے جسے کوئی بھی محسوس نہیں کر سکتا۔ ماں کے پیٹ میں فرشتے پہنچکر سب کچھ لکھ جاتے ہیں مگر ماں کو خبر نہیں ہوتی۔

گذشتہ تقریر میں بیان کئے گئے دلائل سے ثابت ہوا کہ نجات کا دارو مدار صرف عقیدۂ توحید پر نہیں بلکہ ایمان پر ہے اور ایمان کا مدار نبوّت پر۔

لطیفہ : اس سلسلۂ گفتگو میں جب سوالات قبر کا ذکر آ گیا ہے تو ایک ایمان افروز پُرلطف بات بھی سُن لیجئے۔

نکیرین قبر میں مُردے سے تین سوال کرتے ہیں :

مَنْ رَّبُّكَ تیرا رب کون ہے ؟ بندہ کہتا ہے اللہ۔

نکیرین کہتے ہیں :

مَا دِيْنُكَ تیرا دین کیا ہے ؟ بندۂ مومن کہتے ہیں۔ اسلام

پھر کہتے ہیں۔ مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الرَّجُلِ ؟

تو ان صاحب کے متعلق کیا کہتا تھا۔ مومن بندہ کہتا ہے اللہ کے سچے رسول۔

مگر طرزِ سوال میں فرق ہے۔ توحید و دین کے سوال میں لفظ ھٰذا نہیں مگر نبوّت کے سوال میں ھٰذا موجود ہے۔ یعنی جیسے پوچھا گیا تھا کہ رب تیرا کون ہے۔ دین تیرا کیا ہے؟ ایسے ہی یہ نہ کہا گیا کہ نبی تیرا کون ہے۔ عجیب لطف ہے کہ سوال تین ہیں اور نیت سوال دو! وجہ فرق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور دین میت کو دکھایا نہیں جاتا۔ تاکہ اس کی طرف لفظ ھٰذا سے اشارہ کیا جا سکے۔ اور حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا جمال میت کو دکھا کر کہا جاتا ہے کہ دیکھ وہ گورے چہرے والے کالی زلفوں والے کون ہیں اور تو انہیں جیتے جی کیا کہتا تھا۔ بھائی کہتا تھا یا آقا۔ اپنی مثل کہتا تھا یا بے مثال نبی!

یہاں ۲ دو اعتراض ہیں ایک یہ کہ بیک وقت مختلف مقامات پر ہزار ہا مُردے دفن ہوتے ہیں اور ایک ہی ساعت اور ایک ہی آن میں ان ہزار ہا مقامات پر سوالات قبر ہوتے ہیں اور ایک جمال اتنی جگہوں سے کیسے دکھائی دے سکتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ایک سورج بیک وقت ہزار ہا جگہ سے دیکھا جا سکتا ہے اور ہر جگہ اشارہ کر کے کہا جاتا ہے۔ یہ سورج ہے۔ بلکہ ہزار ہا جگہ سے لاکھوں شیشوں کو بیک وقت سورج کی طرف کر دیا جائے تو وہی ایک سورج ان سب شیشوں میں اپنی تجلّی شعاعیں اور تیزی و چمکاہٹ ڈال دیتا ہے۔ یہ تو آسمانی مثال تھی۔

آج سائنس کے دریافت کردہ ٹیلی ویژن نے اس مسئلہ کو حل کر دیا ہے کہ ایک شخص ایک وقت میں ہر جگہ نظر آ سکتا ہے اور اس کی آواز لاکھوں جگہ سنی جاتی ہے جب نار کی طاقت کا یہ حال ہے تو نور کی طاقت کا کیا پوچھنا۔

دُوسرا اعتراض یہ ہے کہ ہم مسلمان جنہوں نے زندگی میں کبھی جمال مصطفوی کی زیارت نہ کی وہ قبر میں حضور کو کس طرح پہچانیں گے۔ اور ابوجہل وغیرہ کفارِ مکہ جنہوں نے عمر بھر حضور کو دیکھا تھا وہ کیوں نہ پہچان سکے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ مادی تعلقات میں پہچان دیکھنے بھالنے سے ہوتی ہے مگر رُوحانی اور ایمانی تعلق میں پہچان اس آنکھ کے دیدار پر موقوف نہیں۔ زندگی میں جس کو حضور سے ایمانی رشتہ رہا وہ ضرور پہچان لے گا۔ اگرچہ کبھی نہ دیکھا ہو اور جسے ان سرکار سے رشتہ ایمانی نہ رہا وہ ہرگز نہ پہچان سکے گا اگرچہ مرتے وقت تک حضور کو دیکھتا رہا ہو۔

بعض خوش نصیب خواب میں اور بعض اہل کمال حضرات کشف میں حضور کی زیارت کرتے ہیں اور دیکھتے ہی پہچان کر فدا ہو جاتے ہیں۔

بہرحال یہ مسئلہ بالکل واضح ہے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ ھٰذا ذہنی اشارہ کے لئے ہے حسی اشارہ کے لئے نہیں یعنی مردے کو جمال مصطفوی کھایا نہیں جاتا بلکہ اس سے پوچھا جاتا ہے کہ وہ صاحب کون ہیں جو تیرے علم میں ہیں مگر یہ غلط ہے۔

اوّلاً تو اس لئے کہ ذہن میں تو دین بھی موجود تھا مُردے کو بھی اللہ تعالیٰ کا علم تھا۔ تو ان دونوں کی طرف ھٰذا سے ذہنی اشارہ کیوں نہ کیا گیا۔

دُوسرے اس لئے کہ کافر حضور سے خالی الذہن ہوتا ہے اگر کوئی جمال اس کی نگاہوں کے سامنے نہ ہوتا تو وہ سوال سن کر فوراً کہتا کہ کس کے بارے میں پوچھتے ہو وہ یہ نہیں کہتا بلکہ کہتا ہے ہا، ہا لَا اَدْرِی میں انہیں پہچانتا نہیں۔ معلوم ہوا کہ کوئی جمال اس کے سامنے ہے جسے دیکھ رہا ہے۔ مگر پہچان نہیں رہا۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ملائکہ مردے کو حضور کی تصویر دکھاتے ہیں۔ مگر یہ بھی باطل ہے اس لئے کہ وہ تصویر نہ رَجُل ہے نہ نبی اس تصویر کو رَجُل کہنا غلط ہوتا اور نبی بتانا کفر ہوتا۔

نیز اگر تصویر ایک ہی ہے جو ہر جگہ دکھائی جاتی ہے تو پھر وہی سوال

پیدا ہوگا۔ کہ ایک تصویر بیک وقت لاکھوں مقامات پر کس طرح نظر آرہی ہے اور اگر تصاویر چند ہیں تو بھی غلط ہے اور اگر تصاویر چند نہیں تو بھی غلط۔ کیونکہ سوال کرنے والے فرشتے دو ہی ہیں۔

بہر حال یہ بات یقینی ہے کہ نجات کا مدار توحید پر نہیں ہے بلکہ ایمان پر ہے اور ایمان کا مدار نبوت پر

نبی

یہ لفظ نَبَاءٌ بمعنی خبر کا صفت مشبہ ہے اس کے معنی ہیں خبر والا جیسے کریمٌ کرم والا — رحیم، رحم والا — حسین، حُسن والا۔ ایسے ہی نبی خبر والا۔ اس خبر دار ہونے والا میں تین احتمال ہیں:

خبر دینے والا، خبر لینے والا اور خبر رکھنے والا۔

اگر اس کے معنی ہوں خبر دینے والا تو غور طلب مسئلہ یہ ہوگا کہ کون سی اور کہاں کی خبر دینے والا۔

اخبار۔ ریڈیو۔ تار۔ خط۔ لفافے، وائرلیس۔ ٹیلیفون وغیرہ اور بی بی سی کا محکمہ یہ سب ہی خبر دینے والے ہیں۔ مگر ان کو نبی نہیں کہا جاتا۔ اگر کہو کہ حرام و حلال کی خبر دینے والا اور شرعی مسائل بتانے والا نبی ہے تو ہر عالم۔ ہر مجدّد و مجتہد یہ خبریں دیتا ہے مگر ان کو نبی نہیں کہا جاتا۔

بہر حال کوئی خاص ہی خبر ہونی چاہیئے جس کا پہچاننے والا نبی کہلائے لہٰذا تحقیق یہی ہے۔ کہ فرش والوں کو فرش کی خبر دینے والا اور عالم شہور کی باتیں بتلانے والا اخبار یا تار ہے۔ اور کتب یا اجتہاد سے مسائل بتانے والا عالم یا مجتہد ہے مگر فرش والوں کو عرش کی خبریں دینے عالمِ غیب کی باتیں بتانے والا نبی ہے۔ جہاں خبر رسانی کے اسباب معطل اور بے کار ہوں وہاں کی خبریں دینے والی ذات نبی ہے۔

جو لوگ نبی کے علوم غیبیہ کا انکار کریں وہ درحقیقت ان کی نبوت ہی کے منکر ہیں اور جو لوگ کہیں کہ نبی صرف مسائل شرعیہ جانتے ہیں اور دنیا والوں کو صرف وہی بتانے آتے ہیں۔ وہ لوگ نبی اور عالم مجتہدین کیا فرق کریں گے۔ میں آپ کو چند روایتیں سناتا ہوں جن سے پتہ لگے گا کہ نبی کہاں کی خبر دیتے ہیں۔

بارگاہِ رسالت میں

حضرت جابر ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ کچھ مغموم سے بیٹھے تھے۔ فرمایا جابر کیا بات ہے غم زدہ کیوں ہو؟ عرض کیا میں غم زدہ کیوں نہ ہوؤں۔ میرے والد حضرت عبداللہ غزوۂ احد میں شہید ہو گئے۔ لڑکیاں اور قرض چھوڑ گئے یعنی ان کی جدائی کا غم اپنی بہنوں و قرض کی فکر دونوں ہی مجھ میں جمع ہو گئی ہیں۔

فرمایا۔ کیا تمہیں کچھ بتائیں۔ جس سے تمہارا غم غلط ہو جائے۔ عرض کیا۔ حضور ضرور!

فرمایا۔ آج تک رب تعالیٰ نے کسی سے بے حجابانہ کلام نہ فرمایا۔ تمہارے والد وہ پہلی میت ہیں کَلَّمَہٗ رَبُّہٗ کِفَاحًا۔ کہ ان سے ان کے رب نے بے حجابانہ کلام فرمایا۔

حضرت جابر کو شوق پیدا ہوا کہ وہ کلام بھی سُن لیں۔

فرمایا: رب نے تمہارے والد سے ارشاد کیا تَمَنَّ (کچھ آرزو کرو)۔

تمہارے والد نے عرض کیا کہ مولیٰ تو نے مجھے سب کچھ دیا۔ کس چیز کی آرزو کروں؟ فرمایا ضرور کچھ آرزو کرو۔ عرض کیا کہ مولیٰ یہ آرزو ہے کہ مجھے دنیا میں پھر بھیجا جائے۔ پھر وہی میدانِ اُحد کی تپتی ہوئی زمین ہو۔ اسی طرح پھر خون میں نہاؤں اور تیری راہ میں سر کٹاؤں۔ جو مزہ تیری راہ میں سر کٹانے میں آیا وہ کسی چیز میں نہ آیا تب رب نے فرمایا۔ کہ ہمارا یہ قانون نہیں کہ کسی کو آزما کر یا کسی کو پاس کر کے دوبارہ آزمائیں۔

اسی طرح ایک بی بی صاحبہ بارگاہِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کرتی ہیں کہ

یارسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) میرا اکلوتا جوان بیٹا آپ کے ساتھ جہاد میں شہید ہو گیا ہے اگر وہ جنت میں ہو تو میں صبر کروں اور اگر اس کے خلاف ہو تو میں اس پر ایسا روؤں گی جس کی زمانہ میں یادگار رہے گی۔

فرمایا۔ اللہ کی بندی جنت کے آٹھ طبقے ہیں۔ تیرا بیٹا جنت کے سب سے اعلیٰ طبقے فردوس میں ہے۔

یونہی ایک شخص کو زمانۂ اقدس میں سزائے سنگسار کیا گیا۔ کسی نے اس کی سنگساری کے بعد اسے برائی سے یاد کیا۔ فرمایا تم اسے برا کہہ رہے ہو اور وہ جنت کی نہروں میں غوطے لگا رہا ہے۔

دیکھو سرکار زمین مدینہ میں تشریف فرما ہو کر کہاں کی خبریں دے رہے ہیں وہاں کی خبر جہاں خبر رسانی کے سب ذرائع مفقود ہیں۔

پھر پوچھنے والوں کے سوال پر یہ نہیں فرماتے کہ میں مدینہ میں ہوں اور وہ شہداء عالم غیب میں پہنچ چکے مجھے وہاں کا کیا پتہ۔ نہ یہ فرماتے ہیں کہ اچھا جبرائیل امین کو آنے دو۔ ان سے پوچھ کر بتائیں گے بلکہ بلا تامل سوال سنتے ہی جواب ارشاد فرما دیا اور صحابہ کرام کا اس قسم کے سوالات بارگاہِ رسالت میں پیش کرنا صاف بتا رہا ہے کہ وہ حضرات اس کے معتقد تھے کہ نبی ہوتا ہی وہی ہے۔ جو عالم غیب کی خبر دے اور سرکار کا ان بزرگوں کو تسلی بخش جواب دینا اس عقیدۂ صحیحہ کی رجسٹری فرما دینا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی نبوت کو اسی طرح خبرداری علم سے ثابت فرمایا۔ خود فرماتا ہے:

وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا	اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو
" " " "	ہر چھوٹی بڑی حقیر و عظیم اعلیٰ ادنیٰ
" " " "	چیزوں کے نام سکھا دیئے اور صرف

سکھا ہی نہ دیئے بلکہ ذرّے سے پہاڑ تک قطرے سے دریا تک زمین سے آسمان

تک مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ کا علم سکھا دیا (از تفسیر جلالین وغیرہ) اور زمین تک سے آسمانوں تک کی ہر چیز ان کو دکھا بھی دی۔ فرماتا ہے۔
ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰئِكَةِ۔ معلوم ہوا کہ نبی کہتے ہی خبردار کو ہیں حضرت عیسٰی علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے سامنے اپنی نبوت کو خبرداری اور علم سے ثابت فرمائی کہ فرمایا:
وَ اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَ مَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لیعنی میں تم کو خبر دے سکتا ہوں جو تم اپنے گھروں میں کھاتے اور بچاتے ہو۔ لفظ نبی کو دیکھو اور اُنَبِّئُكُمْ کو دیکھو دونوں کا مادۂ اشتقاق ایک ہی ہے۔ یعنی خیال رہے کہ تاکلون فعل مضارع ہے۔ جس میں حال اور استقبال دونوں ہیں۔ اگر اس کے اول میں س آجائے تو مضارع مستقبل ہوتا ہے جیسے:
سَيَقُوْلُ السُّفَهَاءُ اور اگر لام آجائے تو بمعنی حال ہوتا ہے۔ جیسے لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ (قرآن) اور اگر دونوں سے خالی ہو تو بمعنی حال اور استقبال دونوں کو شامل ہوتا ہے۔
چونکہ یہاں تاکلون اور تدخرون دونوں لام اور س سے خالی ہیں ان دونوں کے معنی بعموم یہ ہو سکتے ہیں کہ میں تم کو خبر دے سکتا ہوں کہ جو کچھ تم کھاتے ہو اور مرتے دقت تک کھاؤ گے اور جو کچھ بچاتے ہو اور جو کچھ مرنے وقت تک بچاؤ گے لیعنی کھیت کی پیداوار کے ہر دانے باغوں کے ہر پھل پانی کے ہر قطرے کے متعلق مجھ کو علم ہے کہ اس کو کون کھائے پئے گا یہ ہے نبی کی خبرداری لیعنی نبی کی شان یہ ہے کہ وہ خالق کی بھی خبر رکھے اور مخلوق کی بھی۔ مخلوق میں آسمانوں کی بھی خبر رکھتا ہو۔
اور زمین و زمینی چیزوں کی بھی جیسے قابل طبیب مریض کی نبض پر ہاتھ رکھ کر اس کی رگ رگ کا پتہ لگا لیتا ہے ایسے ہی ہمارے حضور کا ہاتھ ہر ایک

کی نبض جان و ایمان پر ہے اس کے لئے صرف چند حدیثیں پیش کرتا ہوں:

مشکوٰۃ شریف باب مناقب سیدنا عمر رضؓ میں ہے ایک بار حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف فرما ہیں۔ رات کا وقت ہے۔ آسمان صاف ہے تارے جگمگا رہے ہیں۔ حضرت ام المومنین نے پوچھا یا رسول اللہ کوئی شخص ایسا بھی ہے جس کی نیکیاں آسمان کے تاروں کے برابر ہیں۔ غور تو کرو کتنا اہم سوال ہے کیونکہ تارے مختلف آسمانوں پر ہیں پہلے آسمان سے لے کر ساتویں آسمان تک ہیں جن میں بعض اتنے چھوٹے بھی ہیں جو آج تک دیکھنے میں نہیں آئے اور بعض وہ بھی ہیں جو آفتاب کی روشنی کی وجہ سے نظر نہیں آتے۔ آسمان میں گزر جاتے ہیں اور اسی طرح تا قیامت مسلمانوں کی نیکیاں مختلف قسم کی ہیں۔ بعض غاروں میں بعض پہاڑوں میں بعض اندھیری راتوں میں دن کی روشنی میں بعض خلوتوں میں بعض جلوتوں میں غرضیکہ یہ سوال عرش و فرش کے متعلق ہے اور ظاہر ہے کہ دو چیزوں کی بڑائی چھوٹائی اور برابری وہ ہی بتا سکتا ہے جس کے سامنے دونوں چیزیں ہوں اور اس کی نظر ان دونوں کے ہر فرد پر ہو۔ معلوم ہوا کہ اُم المومنین کا عقیدہ یہ تھا ؎

سر عرش پر ہے تیری گزر ٭ دل فرش پر ہے تیری نظر
ملکوت و ملکمین کوئی شئے نہیں وہ جو تجھ پر عیاں نہیں

اس کے جواب میں نبی کریم نے یہ نہ فرمایا کہ اے عائشہ تمہاری طرح میں بھی زمین مدینہ میں ہوں۔ مجھے کیا خبر کہ قیامت تک میری امت کہاں ہوگی اور کتنی نیکیاں کریگی اور مجھے کیا خبر کہ کس آسمان پر کتنے تارے ہیں مجھ سے تو روزے نماز کے مسائل پوچھو نہ یہ فرمایا کہ جبرائیل امین آئیں گے تو ان سے پوچھ لیں گے۔ یا رب تعالیٰ سے ہی پچھوا لیں گے۔ نہ یہ فرمایا کہ کاغذ قلم لاؤ۔ ٹوٹل لگا لیں نہ یہ فرمایا کہ ذرا ٹھہر جاؤ سوچ لیں۔ بلکہ بلا تامّل فوراً فرمایا کہ ہاں ایک شخص ہیں جن کی نیکیاں آسمان کے تاروں کے برابر ہیں اور وہ ہیں جناب عمر۔ ام المومنین نے عرض کیا کہ میرے والد جناب

صدیق اکبر کی نیکیوں کا کیا حال ہے ؟ فرمایا ان کی ہجرت کی رات کی خدمت جناب عمر کی تمام نیکیوں سے افضل ہے۔ پتہ لگا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم اپنے اُمتی کی ہر نیکی سے خبردار ہیں۔ یہ ہیں خبر رکھنے والے نبی۔ بخاری شریف جلد اوّل باب سہم غرب میں ہے کہ جنگِ بدر میں حضرت حارث غائبانہ تیر سے شہید ہو گئے ان کی والدہ حاضر بارگاہ ہوئیں۔ بولیں یا رسول اللہ اگر میرا بیٹا جنت میں ہو تو میں صبر کروں ورنہ میں اپنے بیٹے کو ایسا روؤں گی کہ لوگوں میں چرچا ہو جائے گا۔ یہاں بھی نبی کریم نے یہ نہ فرمایا کہ مائی مجھ کو کیا پتہ جہاں تو ہے وہاں میں ہوں اور نہ یہ فرمایا کہ جبرئیل امین کو آنے دو ان سے پوچھ کر بتائیں گے۔ بلکہ فرمایا کہ اللہ کی بندی جنتیں آٹھ ہیں جن میں سب سے اونچا طبقہ جنت الفردوس ہے۔ تیرا بیٹا اس میں ہے یہ ہے ہمارا خبردار نبی صلے اللہ علیہ وسلم۔

مشکوٰۃ شریف باب فضل صدقہ کتاب الزکوٰۃ میں ہے کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ ازواج مطہرات نے بارگاہِ نبوت میں عرض کیا:

اَیُّهَا اَوَّلُ لُحُوْقًا بِکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ	یعنی یا حبیب اللہ ہم میں سے سب سے پہلے آپ سے کون ملے گا۔
فرمایا: اَطْوَلُکُنَّ یَدًا	تم میں سے لمبے ہاتھ والی ہمیں پہلے ملے گی۔

ہم نے اپنے ہاتھ ناپے تو بی بی سودہ ہم سب میں لمبے ہاتھ والی تھیں مگر بعد میں پتہ لگا کہ لمبے ہاتھ سے مراد صدقہ وخیرات کرنے والی ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے بی بی زینب کی وفات ہوئی کہ سب سے زیادہ صدقہ کرتی تھیں۔ غور تو کرو۔ کہ اس مختصر سے سوال میں کتنی باتیں پوچھ لیں۔ ہر ایک کی وفات کا وقت کہ کس کی وفات کب ہو گی۔ وفات کی نوعیت کہ ہم سب کی وفات ایمان پر ہو گی یا نہیں۔ بعد

وفات اپنا مقام کہ ہم کہاں ہوں گے آپ کے پاس یا کہیں اور کیونکہ انہوں نے یہ پوچھا کہ ہم میں سب سے پہلے آپ سے کون ملے گی یہاں بھی حضور نے یہ نہ فرمایا کہ یہ علوم خمسہ ہیں۔ مجھے کیا خبر نہ یہ فرمایا کہ جبرائیل امین سے پوچھ کر بتائیں گے بلکہ فوراً تسلی بخش جواب دے دیا۔ یہ ہیں ہمارے خبر دار نبی۔ بخاری شریف کتاب الطہارۃ کے باب تَنَزُّہ مِنَ الْبَوْلِ میں حدیث پاک ہے کہ ایک مرتبہ حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم ایک مقام سے گزر رہے تھے۔ دو قبریں ملاحظہ فرمائیں۔ فرمایا ان قبروں میں نہایت معمولی گناہوں کی وجہ سے عذاب ہو رہا ہے۔ ان میں سے ایک چغلی کھاتا تھا اور دوسرا اونٹ چراتا تھا اور ان کے پیشاب سے بچتا نہ تھا۔ پھر ایک تر شاخ کے دو ٹکڑے کئے ایک ایک شاخ دونوں قبروں پر گاڑ دی اور فرمایا کہ جب تک یہ تر رہے گی ان کی تسبیح کی برکت سے دونوں قبروں میں عذاب ہلکا ہو گا۔ اس حدیث سے چند مسائل معلوم ہوئے۔

(۱) حضور کی نگاہ کے لئے کوئی مٹی آڑ نہیں بن سکتی آپ غائب اور حاضر کو یکساں ملاحظہ فرماتے ہیں۔ دیکھو عذاب قبر ہزاروں من مٹی کے نیچے زمین کے اندر ہو رہا ہے اور حضور زمین کے اوپر تشریف فرما ہیں۔ مگر حضور کی نگاہ اس عذاب کو دیکھ رہی ہے۔

(۲) حضور ہر شخص کے ہر نیک و بد عمل کی خبر رکھتے ہیں۔ دیکھو ان قبر والوں کا اپنی زندگی میں چغلی کھانا پیشاب کی چھینٹوں سے پرہیز نہ کرنا ایسے کام تھے جو یہ لوگ حضور کے سامنے نہ کرتے تھے۔ مگر حضور کو ان کا پتہ تھا معلوم ہوا کہ ہر شخص کے ہر عمل سے خبردار ہیں۔ یہ ہیں خبر رکھنے والے نبی۔ قبر پر سبز گھاس ہری شاخ پھول وغیرہ لگانا سنت سے ثابت ہے۔ اس سے قبر کا عذاب ہلکا ہوتا ہے۔

نبی بمعنی خبر لینے والا

حضور صلے اللہ علیہ وسلم دنیا میں قبر میں حشر میں ہر جگہ اپنی امت کی دستگیری فرماتے ہیں۔ خبر لیتے ہیں قیامت کے دن سب سے پہلے خلق کی خبر حضور لیں گے۔ پھر حساب کتاب شروع ہوگا

لیکن حالات قیامت کی ابتداء حضور کی دستگیری سے ہی شروع ہوگی۔ جیسا کہ بخاری مسلم وغیرہ کی احادیث میں ہے۔

نکتہ: مجمع قیامت میں شفیع کو ڈھونڈنے والے محدثین، مفسرین، علمائے فقہا، اولیاء، صوفیاء۔ غوث قطب سب ہی ہوں گے مگر کسی کو یاد نہ ہوگا کہ آج شفاعت کا سہرا صرف نبی کریم کے سر مبارک پر ہے۔ حالانکہ دنیا میں اُن سب کا عقیدہ تھا کہ شفاعت کا دروازہ صرف حضور ہی کھولیں گے۔ مگر وہاں ایسے بھولیں گے کہ کسی کو حضور کا نام یاد نہ آئے گا۔ محض اپنے قیاس سے دیگر انبیاء کرام کے پاس شفاعت کے لیے جائیں گے اور وہ حضرات بھی حضور کا پتہ نہ بتا سکیں گے۔ خیال سے ہی حضرت نوح و ابراہیم و موسیٰ علیہم السلام وغیرہم کا پتہ بتا دیں گے۔ سوا عیسیٰ علیہ السلام کے حضور کا نام کوئی نہیں بتا سکے گا۔ اس میں کیا راز ہے۔ حکمت یہ ہے کہ اگر مخلوق پہلے ہی حضور اقدس کے آستانے پر حاضر ہو جاتی اور حضور اس کی شفاعت فرما دیتے۔ تو کوئی کہنے والا کہہ سکتا تھا کہ اس شفاعت میں حضور کی کیا خصوصیت ہے ہم اتفاقاً یہاں آ گئے اور شفاعت ہو گئی۔ اگر کسی اور نبی کے پاس چلے جاتے تو بھی شفاعت ہو جاتی سب کی ذہن دوزی کرنے کے لئے پہلے سب دروازوں پر پھرا لیا جائے گا۔ اور ہر جگہ بھیک منگوالی جائیگی اور سب سے منوا لیا جائے گا کہ آج حضور کے سوا کوئی خبر لینے والا نہیں۔ یہ ہیں ہمارے نبی خبر لینے والے صحابہ کرام ہر حاجت روائی کے لئے حضور ہی کے آستانہ پر حاضر ہوتے تھے۔ یارسول اللہ بارش نہیں ہوتی یارسول اللہ بارش بہت ہو گئی یارسول اللہ میں گناہ کر کے آیا ہوں۔ بلکہ کفار کہ بھی حاجات کی دعا کرانے حضور ہی کے پاس آتے تھے جانور تک اپنا ہر دکھ درد حضور ہی سے عرض کرتے تھے ؎

ہاں یہیں کرتی ہیں چڑیاں فریاد ہاں یہیں چاہتی ہے ہرنی داد
اسی در پر شتران ناشاد شکوۂ رنج و عناں کرتے ہیں!

جانور، حجر، شجر سب جانتے ہیں کہ یہ نبی ہماری خبر لینے والے ہیں کیونکہ

فریاد اسی کے سامنے کی جاتی ہے۔ جو خبر لے سکے یہ ہیں نبی بمعنی خبر لینے والا۔

ایمان یہ لفظ امن سے بنا ہے اس کے معنی ہیں۔ امن دینا۔ یہ خدا تعالیٰ کی بھی صفت ہے اسی لئے اس کا نام پاک مومن بھی ہے یعنی اپنے بندوں کو اپنے قہر و عذاب سے امن دینے والا اور بندے کی بھی صفت ہے۔ اسی لئے مسلمانوں کو قرآن کریم نے مومن فرمایا۔ یعنی اچھے عقیدے اختیار کر کے اپنے کو رب کے عذاب سے امن دینے والا۔ شریعت میں ان عقیدوں کا نام ایمان ہے جن کو اختیار کرنے سے انسان کفر سے بچ جاتا ہے۔ اور مومنوں کی جماعت میں آ جاتا ہے۔

جانِ ایمان دنیا کی چیزوں میں ایک ڈھانچہ ہوتا ہے اور ایک روح اور روح کے بغیر ڈھانچہ کی کوئی قیمت نہیں۔ جسم انسانی میں جب تک روح ہے تب تک وہ ہر قسم کے اکرام کا مستحق ہے۔ اعلیٰ غذائیں۔ عمدہ لباس، بہترین مکانات، امیری وزیری۔ سلطنت روح والے جسم کے لئے ہیں۔ روح نکلتے ہی بجز زمین میں دفن کر دیئے جانے کے اور کسی کام کا نہیں۔ درخت میں جب تک زندگی ہے تب تک اس میں سبزی پھل پھول سب کچھ ہے۔ ختم ہوتے ہی چولھے کا ایندھن ہے بلب۔ ٹیوبیں پنکھے وغیرہ تمام ساز و سامان پاور آ جانے پر کار آمد ہیں بغیر پاور بالکل بے کار ہیں۔ اسی طرح روزہ۔ نماز۔ حج۔ زکوٰۃ۔ بلکہ ایمان ان سب کا ایک ڈھانچہ ہے۔ اور ایک روح جاندار عبادات و ایمان کی بارگاہِ الٰہی میں قدر و قیمت ہے۔ بے جان ایمان وغیرہ کی نہ کوئی قدر ہے نہ قیمت۔

خیال رکھو کہ کلمہ پڑھنا اور ایمان مجمل و مفصل آمَنْتُ بِاللّٰہِ الخ کو مان لینا ایمان کا ڈھانچہ ہے جانِ ایمان ایک اور صرف ایک چیز ہے اور وہ ہے نبوت کو الوہیت سے اور نبی کو اللہ سے ملانا۔ جہاں اللہ اور رسول میں جدائی کی انسان کافر ہوا اور جہاں اللہ کو رسول سے ملایا مومن ہو گیا۔

قرآن کریم کا فتویٰ ملاحظہ ہو:

وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ	اور چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے

اللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَکْفُرُ بِبَعْضٍ وَّیُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِکَ سَبِیْلًا۝ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ حَقًّا وَّ اَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّھِیْنًا۔	رسولوں میں فرق وجدائی کردیں اور کہتے ہیں ہم بعض پر ایمان لائیں گے اور چاہتے ہیں کہ اس کے درمیان کوئی راستہ اختیار کریں۔ یہ لوگ پکے کافر ہیں۔ اور ہم نے کافروں کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

بفتوائے قرآن کریم ثابت ہوا کہ اللہ رسول میں جدائی سمجھنا کفر ہے تو لامحالہ اللہ رسول کو ملانا ایمان ہوا ؎

میں اپنی حیاتی تے قربان تھیواں
احد نال احمد ملیندے گزر گئی

اِسکامطلب ملانے کا مطلب نہ تو یہ کہ ہے کہ رسول کو خدا مان لیا جائے۔ اور نہ یہ کہ رب کو رسول تصور کر لیا جائے اللہ اللہ ہے نبی نبی ہے۔ بلکہ ملانے کا مطلب بطور تمثیل یوں سمجھو کہ نوٹ میں کاغذ بھی ہے اور شاہی مہر بھی۔ مہر کاغذ نہیں کاغذ مہر نہیں مگر مہر کاغذ سے ایسی ملی ہوئی ہے کہ اگر کاغذ سے الگ ہو جائے تو کاغذ بے قیمت ہو جائے۔ لیمپ کی چمنی ہری ہے تو چمنی کا رنگ بتی کے نور سے ایسا ملا ہوا ہے کہ گھر کے جس کونے میں بتی کا نور ہے وہاں چمنی کا رنگ ہے ایسا کوئی گوشہ نہیں مل سکتا۔ جہاں بتی کا نور تو ہو مگر چمنی کا رنگ نہ ہو قرآن کریم فرماتا ہے۔ مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ۔

اس آیت کریمہ کی چند تفسیریں ہیں جن میں سے ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ توحید الٰہی گویا نور ہے اور ذات پاک محمد مصطفٰے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم گویا زجاجہ یعنی چمنی ہے۔

بھلا غور تو کرو کہ کلمہ طیبہ ہے تو توحید۔ مگر اس میں توحید کے بعد حضور کی رسالت کا بھی ذکر ہے اور ترتیب ذکر یوں ہے کہ اوّل جزو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ میں اللہ کا ذکر پیچھے ہے اور جزو دوم یعنی مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰہِ میں حضور کا نام پہلے ہے نہ تو جزوِ اوّل میں اَللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اور نہ جزو دوم یعنی رَسُوْلُ اللّٰہ مُحَمَّد میں حضور کا نام محمد بعد میں ہے۔ تاکہ حضور کا نام اللہ کے نام سے ملا رہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے اور حبیب کے نام میں لفظ تک کی جدائی منظور نہ فرمائی تو اور جگہ اپنے اور اپنے حبیب میں تفریق اور جدائی کیوں کر پسند فرمائے گا۔ قرآن کریم میں بہت جگہ اپنے نام کو اپنے حبیب سے ملایا۔ چنانچہ فرماتا ہے:

۱- وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ۔	فرمانبرداری کرو اللہ اور اس کے رسول کی۔
۲- وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا۔	جو فرمانبرداری کرے اللہ اور اس کے رسول کی وہ بڑا کامیاب ہوگیا۔
۳- وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْہُ	اللہ رسول زیادہ حقدار ہے۔ کہ انہیں راضی کریں۔
۴- اَغْنَاھُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ مِنْ فَضْلِہٖ	اللہ رسول نے انہیں اپنے فضل سے غنی کر دیا۔
۵- وَمَنْ یَّخْرُجْ مِنْ بَیْتِہٖ مُھَاجِرًا اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ	جو اپنے گھر سے نکل پڑا اللہ رسول کی طرف ہجرت کرکے۔
۶- وَیَرَی اللّٰہُ عَمَلَکُمْ وَرَسُوْلُہٗ	اللہ رسول تمہارے اعمال دیکھیں گے۔
۷- لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ	اللہ رسول سے آگے نہ بڑھو۔
۸- فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ	اللہ رسول پر ایمان لاؤ۔

۹- وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ	اگر وہ اس پر راضی ہوئیں - جو انہیں اللہ رسول نے دیا -
۱۰- وَقَالُوْا سَیُؤْتِیْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗ	اور کہا انہوں نے کہ ہم کو اللہ رسول اپنے فضل سے اور دیں گے -
۱۱- اِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ	جب آپ کہتے تھے اسی سے جس پر اللہ نے اور آپ نے انعام کیا -

---

حضور کے شاعر خاص حضرت حسّان ابن ثابت فرماتے ہیں :

ضَمَّ الْاِلٰهُ اسْمَ النَّبِیِّ بِاسْمِهٖ
اِذْ قَالَ فِی الْخَمْسِ الْمُؤَذِّنُ اَشْهَدُوْا

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملایا ہے - نماز پنجگانہ کی تکبیر اور اذان کہہ کر دیکھ لو کہ موذّن اور مکبّر اشھد ان لآ الٰہ الّا اللّٰہ کہتے ہی اشھد انّ محمّد الرّسول اللّٰہ کہتا ہے -

خیال رہے کہ حضرت حسّان وہ خوش نصیب نعت گو صحابی ہیں جن کے ایک ایک شعر پر حضور نے جھوم جھوم کر دعائیں دی ہیں - ان کے اشعار بارگاہ نبوّت سے قبولیت بلکہ داد حاصل کر چکے ہیں - ذرا اسلامیات میں غور کرو تو معلوم ہوگا کہ رب تعالیٰ نے اپنے حبیب کی سنتوں کو اپنے فرائض سے اس طرح ملایا ہے کہ کوئی عبادت سنتوں سے خالی نہیں - نماز پنجگانہ میں ظہر کے فرض چار - آس پاس کی سنتیں چھ - نماز مغرب میں فرض تین اور سنتیں نفل چار - وغیرہ پھر فرض پڑھنے لگو تو سبحانک اللّٰھم پڑھنا سنت اعوذ باللّٰہ بسم اللّٰہ پڑھنا سنت پھر تلاوت قرآن کریم فرض ہے رکوع سجدہ فرض - ان کی تسبیحیں سنت - روزہ رمضان فرض - سحری - افطار - تراویح سنت -

اپنی زندگی کو دیکھ لو بچے کے پیدا ہوتے ہی کان میں اذان دینا سنّت عقیقہ

سنت۔ختنہ سنت۔ بچے کی پرورش سنت بالغ ہونے کے بعد فرائض ذمے ہوتے ہیں۔اس وقت تک ہم سنت کے سائے میں ہی پرورش پاتے ہیں جیسے کہ روزی کمانا کھانا۔ نکاح ۔بیوی کی پرورش سب سنت ہی ہیں۔مرتے وقت مرنے والے کو کلمہ پڑھانا سنّت۔اسے کعبہ رو کرنا سنت۔بعد موت کفن کے تین یا پانچ کپڑے سنّت غسل اور دفن کے طریقے سنت۔غرضیکہ ہر جگہ فرض سنتوں سے ملے ہی ہوئے ہیں۔اسی لئے ہمارا نام اہل فرض یا اہل واجب یا اہل مستحب نہیں۔ بلکہ اہل سنت ہے یعنی زندگی بھر سنّت کے سائے میں جلنے والے اور قیامت میں سنت والے کے سائے میں رہنے والے بہر حال روح ایمان اللہ رسول کو ملانا ہے۔شیطان اور صدہا قسم کے کفار اللہ کی ذات وصفات فرشتے جنت و دوزخ سب کو جانتے ہیں۔مگر پھر کافر کے کافر۔کیوں اس لئے کہ اللہ رسول کو ملاتے نہیں

ایک انصاری نے اپنے کھیت کو پانی دینے کا مقدمہ بارگاہِ رسالت میں پیش کیا۔مگر حضور کے فیصلہ پر راضی نہ ہوا تو اس کے متعلق یہ آیت کریمہ اتری۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ○	اے محبوب آپ کے رب کی قسم یہ لوگ مومن نہیں ہوسکتے حتیٰ کہ اپنے اختلافات میں آپ کو حاکم مانیں پھر آپ کے فیصلے سے دل تنگ نہ ہوں اور سر تسلیم خم کردیں۔

بعض صحابہ کرام کی آوازیں بارگاہِ نبوّت میں اونچی ہوجاتی تھیں۔ان کے متعلق ارشادِ باری ہوا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ	اے ایمان والو۔اپنی آوازیں اپنے نبی کی آواز پر اونچی مت کرو اور ان کی بارگاہ میں ایسے اونچے نہ بولو جیسے بعض بعض کے لئے۔ورنہ تمہارے

بِبَعۡضٍ اَنۡ تَحۡبَطَ اَعۡمَالُکُمۡ وَ اَنۡتُمۡ لَا تَشۡعُرُوۡنَ۔	اعمال ضبط ہو جائیں گے اور تم کو خبر بھی نہ ہو گی۔

دیکھو ان انصاری نے اور ان اُونچے بولنے والے حضرات نے کسی ایمانی عقیدے کا انکار نہ کیا تھا۔

توحید قیامت ملائکہ جنت دوزخ وغیرہ سب کے اقراری تھے بلکہ نبوت کا بھی انکار نہ کیا تھا۔ لوازماتِ نبوت میں سے ایک شے میں قصور ہو گیا تھا یعنی حضور کا ادب اور آپ پر اعتماد۔ رب نے اس کو بھی کفر قرار دے دیا کیونکہ نیکیاں کفر سے ہی ضبط ہوتی ہیں۔

مطلب یہ نکلا کہ تمام عقاید ایمان کا ڈھانچہ ہیں اور حضور آقائے دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا ادب و احترام رُوح ایمان ہے۔

بہت جلدی میں یہ چند سطور سپرد قلم کر کے سپرد خدا و رسول کر دیں۔

گر قبول اُفتد زہے عز و شرف

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیۡرِ خَلۡقِہٖ وَ نُوۡرِ عَرۡشِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَسَلَّمَ

ناچیز

$\frac{5}{84}$۱۲ھ **احمد یار خاں خطیب جامع غوثیہ گجرات** $\frac{9}{64}$۱۹ء

سید فاضل شاہ انور قلمکار گجرات